عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوت

انٹرنیشنل

جلد نمبر ۱۰، شمارہ نمبر ۳۴

KHATME NUBUWWAT

(AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اصلاحی کارنامے

امانت داری پر اللہ تعالیٰ کا انعام

جو خدا کا ہوا خدا اس کا ہوا

ٹی وی نے ۳۰ بچوں کی جان لے لی

ٹی وی دیکھنے کے شوق کا خوفناک انجام

ایک پھوپھی زاد بھائی جو عمر کے علاوہ ہر چیز میں مجھ سے بڑے تھے

یہودی انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام اور مغربی پریس

”ختم نبوۃ“ اللہ رکھے کیسی شان سے جاری ہے

مرزا گاما قادیانی واہ بھئی واہ گامے

داستانِ اندلس

موت نے تین بچوں کو نگل لیا

ٹی وی دیکھنے کے شوق کا خوفناک انجام

حافظ محمد حنیف ندیم

تاجدار ختم نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی یہ بیان فرمائی ہے کہ گھر گھر ناچ گانے عام ہو جائیں گے آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہو چکی ہے' ناچ اور گانے سے بہت کم گھرانے خالی ہیں۔ پہلے پہل ریڈیو ہوا کرتا تھا جو پوری بستی یا شہر میں ایک یا دو ہوتے تھے اس کے بعد ٹرانسسٹر آگیا جو نہ صرف ہر گھر میں پہنچ گیا بلکہ نوجوان نسل ہاتھوں میں لیے پھرنے لگی جیسے دیکھو کان سے ٹرانسسٹر لگا ہوا ہے۔ ریڈیو سے گانا بجانا گھر گھر گلی گلی اور کوچہ کوچہ عام ہو گیا۔ اس کے بعد ٹیلی ویژن آیا تو اس نے ہر گھر کو سینما بنا دیا۔ ماں باپ بہن بھائی سب اکٹھے ہو کر فلم دیکھتے ہیں۔ لیکن مجال کہ ذرا بھی شرم آئے۔

یوں تو ٹیلی ویژن کا شوق سب کو ہی ہے لیکن نئی نسل اور بچوں کو زیادہ شوق ہے۔ اگر اپنے گھر میں ٹی وی نہیں ہے تو پڑوسیوں کے گھر جا کر ٹی وی دیکھنے اور شوق پورا کرتے ہیں۔ بچوں کے اس شوق نے گھروں کے چراغ گل کر دیئے۔ پچھلے دنوں پرانی نمائش قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کے سامنے والے گراؤنڈ میں ایک دس سالہ بچے کی لاش ملی جو بے یار و مددگار پڑی ہوئی تھی۔ خوف کی وجہ سے کوئی اس کی اطلاع پولیس کو دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ شام کو پولیس اٹھا کر لے گئی۔

اگلے روز اخبار میں خبر آئی کہ وہ بچہ جٹ لائن کا رہنے والا تھا ٹی وی دیکھنے کی غرض سے نکلا اور نامعلوم ہوس پرستوں کا نہ صرف نشانہ بنا بلکہ جان کی بازی بھی ہار گیا الغرض ٹی وی کے شوق نے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اس واقعہ سے ماں باپ، بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب پر جو قیامت گذری ہے وہ الگ ہے۔ یہ ہے ٹی وی دیکھنے کے شوق کا نتیجہ۔

پچھلے دنوں فیڈرل بی ایریا کے ایک فلیٹ میں آگ لگ گئی تھی۔ جس میں تین کم سن بہن بھائی لوگوں کے ہجوم کے سامنے جل کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے اس واقعہ کی مختصر تفصیلات یہ ہیں:۔

فیڈرل بی ایریا میں شاہراہ پاکستان سے متصل عصمت کارنر کی دوسری منزل پر واقع ایک فلیٹ میں آتشزدگی کے سانحے میں ۷ سالہ محمد فرحان، ۵ سالہ سیدہ وجیہہ اور ۳ سالہ محمد قاسم زندہ جل گئے۔ اور ان کی ماں تقریباً ۲۸ سالہ غزالہ اور باپ ۳۶ سالہ محمد اکرم حسین زخمی ہونے کے بعد بمشکل جان بچانے میں کامیاب ہو سکے۔ سانحے کے بارے میں صدمے سے بے حال محمد اکرم حسین نے گلوگیر لہجے میں بتایا کہ آگ لگنے کی بدنصیب گھڑی میں فرحان کے علاوہ سب لوگ سو رہے تھے فرحان ٹی وی پروگرام دیکھنے کے شوق میں صبح جلدی اٹھ گیا تھا اس نے مجھے جگا کر بتایا کہ ٹی وی دیکھنا چاہتا ہوں میں اسے اجازت دے کر پھر سے سو گیا اور وہ ٹی وی دیکھتے ہوئے نہ معلوم کب باورچی خانہ چلا گیا جہاں اس نے ماچس جلانے کے شوق میں دیا سلائی جلائی غالباً باورچی خانہ میں گیس لائن سے گیس خارج ہو رہی تھی جس سے شعلہ بھڑکا اور آگ لگ گئی۔ کم عمر فرحان گھبراہٹ میں چیختے ہوئے بیڈ روم کی طرف بھاگا اور اس کے ہاتھ سے جلتی ہوئی دیا سلائی میرے بستر پر گری جس سے فوم کے گدے اور کمبل نے آگ پکڑ لی فرحان کی چیخ اور آگ کی تپش سے میری آنکھ کھلی بستر سے اٹھتے ہوئے چیخ کر اپنی اہلیہ کو جگایا اور انہیں دیگر ۲ سوتے ہوئے بچوں سمیت متصل بالکونی میں جا کر دروازے بند کر لینے کی ہدایت کی تاکہ آگ ان لوگوں تک نہ پہنچ سکے اور فرحان کو بھی ان کے ہمراہ بالکونی میں بھیج دیا میں خود جلتا ہوا گدا اٹھا کر فلیٹ سے باہر بھاگا تاکہ آگ کو پھیلنے سے روکا جا سکے لیکن میرے باہر نکلتے ہی دروازہ اندر سے بند ہو گیا اور آگ نے پورے فلیٹ کو لپیٹ میں لے لیا اس وقت تک معاملہ میری سوچ سے باہر جا چکا تھا اور میں شور کر کے لوگوں سے مدد مانگنے کے سوا کچھ نہ کر سکتا تھا جب کچھ ہوش آیا تو میرا سب کچھ لٹ چکا تھا میرے تینوں لخت جگر آگ کے بے رحم شعلوں نے نگل لئے اور فلیٹ میں موجودہ تمام اثاثہ جل کر راکھ ہو گیا تھا دوسری طرف فلیٹ کی بالکونی سے خاتون خانہ کے شور اور بچوں کی دلدوز چیخوں سے پڑوسی اور محلے کے دیگر افراد آگ کے شعلوں میں گھرے فلیٹ کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس دوران آگ کے خوفناک شعلے فلیٹ کے تمام سامان اور دروازہ کو جلاتے ہوئے بالکونی تک جا پہنچے تو محلے کے افراد نے اپنے گھروں سے گدے اور لحاف لا کر نیچے تان لئے اور بچوں اور ان کی ماں سے کہا کہ وہ کود جائیں لیکن بالکونی پر لگی گرل کے باعث کودنا دشوار تھا۔ ماں نے بچوں کو گرل کے درمیان خالی جگہ سے باہر نکال کر نیچے پھینکنے کی کوشش کی لیکن تینوں بچے اس قدر سہم گئے تھے کہ بری طرح چمٹ کر روتے رہے۔ جس پر نیچے کھڑے لوگوں نے خاتون خانہ سے کہا کہ وہ باہر کود یں تو انہیں دیکھ کر بچے بھی کود جائیں گے جس پر خاتون خانہ گرل کی درمیانی جگہ سے باہر نکلیں اور ایک ہاتھ سے گرل پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے بچوں کو کھینچ کر باہر لانا چاہا لیکن اس دوران آگ کی حدت سے گرل اس قدر گرم ہو گئی تھی کہ خاتون خانہ کا ہاتھ جھلس گیا اور وہ اپنی گرفت برقرار نہ رکھ سکیں اور نیچے گر پڑیں جہاں موجود لوگوں نے انہیں لحاف پر لے لیا اور وہ محفوظ رہیں اسی دوران آگ کے بے رحم شعلوں نے بالکونی کے دیگر سامان کیساتھ ساتھ معصوم انسانی جانوں کو لپیٹ میں لے لیا اور متعدد افراد کی نظروں کے سامنے کم عمر انسانی زندگیاں خاکستر ہو گئیں۔ لوگ بے بسی سے بالکونی میں بھڑکتے شعلے دیکھتے رہ گئے۔ ——— یہ ہے ٹی وی دیکھنے کے شوق کا خوفناک انجام کاش ہم عبرت حاصل کریں اور نہ صرف تو ٹی وی کی لعنت سے بچیں بلکہ اپنے بچوں کو بھی بچائیں۔ (نوٹ) اس خبر کی فوٹو سٹیٹ کرا کر تقسیم کریں شاید کوئی عبرت پکڑ لے۔ منجانب:۔ ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوۃ

جلد نمبر ۱۰ | ۲۷ تا ۳ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ بمطابق ۴ تا ۱۰ جنوری ۱۹۹۲ء | شمارہ نمبر ۳۴

مدیر مسئول ـــــ عبدالرحمٰن باوا

اس شمارے میں

۱ـــ ٹی وی دیکھنے کا شوق ـــــــ ۲
۲ـــ ختم نبوت اللہ رکھے (نظم) ـــــــ ۴
۳ـــ قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام اور مغربی پریس (اداریہ) ـــــــ ۵
۴ـــ نوبل انعام کیا ہے؟ ـــــــ ۸
۵ـــ جو خدا کا ہوا، خدا اس کا ہوا ـــــــ ۱۰
۶ـــ امانتداری پر اللہ کا انعام ـــــــ ۱۱
۷ـــ داستان ازلی (قسط نمبر۴) ـــــــ ۱۲
۸ـــ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح ـــــــ ۱۴
۹ـــ تعارف (قسط ۷) ـــــــ ۱۵
۱۰ـــ مرزا گاما ـــــــ ۱۶
۱۱ـــ حضرت مفتی احمدالرحمٰن صاحب رح ـــــــ ۱۷
۱۲ـــ اخبار ختم نبوت ـــــــ ۲۲
۱۳ـــ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں ـــــــ ۲۳
۱۴ـــ ارباب حکومت سے ـــــــ ۲۴
۱۵ـــ قادیانیوں کی تعداد ایک کروڑ نہیں ہے ـــــــ ۲۵
۱۶ـــ بادشاہ کا درویشانہ انکسار ـــــــ ۲۵
۱۷ـــ بت گر گئے ـــــــ ۲۶

سرپرست

شیخ المشائخ حضرت مولانا
خان محمد صاحب مدظلہ
خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف
امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

مجلس ادارت

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر | مولانا محمد یوسف لدھیانوی
مولانا منظور احمد الحسینی | مولانا بدیع الزمان

سرکولیشن منیجر

محمد انور

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
قانونی مشیر
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

رابطہ دفتر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
جامع مسجد باب الرحمت ٹرسٹ
پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ
کراچی ۷۴۴۰۰ ۔ پاکستان
فون نمبر ـ 7780337

LONDON OFFICE:
35 STOCKWELL GREEN
LONDON SW9 9HZ U.K.
PH: 071-737-8199.

چندہ

سالانہ ـــــ ۱۵۰ روپے
ششماہی ـــــ ۷۵ روپے
سہ ماہی ـــــ ۳۵ روپے
فی پرچہ ـــــ ۳ روپے

چندہ

غیر ممالک سے سالانہ بذریعہ ڈاک
۴۵ ڈالر
چیک یا ڈرافٹ بنام "ہفت روزہ ختم نبوت"
الائیڈ بنک بنوری ٹاؤن برانچ
اکاؤنٹ نمبر ۳۶۳ کراچی پاکستان
ارسال کریں

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان
ہفت روزہ
ختم نبوۃ
KHATME NUBUWWAT
(AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)

عبدالحق تمنا
کراچی

"ختمِ نبوۃ" اللہ رکھے کیسی شان سے جاری ہے

چند اشعار ہفت روزہ "ختم نبوت" کیلئے کہے گئے ہیں۔ قارئین کی خدمت میں پیش ہیں

"ختم نبوت" اللہ رکھے کیسی شان سے جاری ہے
دشمن اِس کے کانپ رہے ہیں اُن پر لرزہ طاری ہے

اِس کے دشمن اس کو پڑھ کر خون کے آنسو روتے ہیں!
اِک اِک شوشہ، اِک اِک نقطہ اُن کے دل پر بھاری ہے

خوشبو اس کی پھیل رہی دنیا دنیا روز بروز
ہر ہر جملہ گلشن اس کا ہر فقرہ پھلواری ہے

مضمون اس کے، جملے، فقرے، سورج، چاند ستارے ہیں
محور جن کا صرف محمدؐ فیض انہیؐ کا جاری ہے

دشمن اِس کا صرف وہی ہے بغض اسی کو اس سے ہے
مذہب جس کا دنیاداری، دیں جس کا سرکاری ہے

نشہ اس کا قریہ قریہ بستی بستی پھیل گیا!
اللہ اللہ کیسی مے ہے کیسی یہ مے خواری ہے

فرق سمجھ لو ایماں والو، فرق جو ہے سو اتنا ہے!
نوری اس کا دوست تمناؔ دشمن اس کا ناری ہے

یہودی انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام اور مغربی پریس

لندن سے شائع ہونے والا ایک اردو اخبار، قادیانی سائنسدان نوبل (سودی) انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے حق میں مسلسل پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے سلسلے میں مضامین، فیچرز، کالمی تصاویر، نقطۂ نظر میں طویل طویل مراسلے اور جلی شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے اور غالباً ظاہر کیا جارہا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی سے زیادہ سائنس کے معاملے میں پاکستان کا کوئی ہمدرد پیدا ہی نہیں ہوا اور یہ کہ پاکستان کے غم میں گھلا جارہا ہے ڈاکٹر سلام کے بارے میں یہ دعویٰ قطعاً جھوٹ ۔ دھوکہ و فریب ہے اور جرأت تو یہ ہے کہ اس جھوٹ کو پھیلانے میں ہمارے اخبار کے صحافی۔ دانشور اور فیچرز نگار بھی شریک ہیں ـــــ اس کے علاوہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اخبار کے صحافی اس پروپیگنڈہ مہم کے ذریعہ حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی خدمات دوبارہ حاصل کی جائیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو دوبارہ ملک پر مسلط کیا جائے کون نہیں جانتا کہ قادیانی ٹولہ سامراجی طاقتوں کا آلہ کار ہے اور ڈاکٹر عبدالسلام بھی قادیانی ہونے کے ناطے سے انہیں اسلام دشمن عناصر کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے اس کو سائنس کے شعبہ پر مسلط کرنا گویا پاکستان کی سائنس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ غلطی کر لی گئی اور ڈاکٹر سلام کو پاکستان میں سائنس کے شعبے کا نگران بنا دیا گیا تو اس صورت میں یہ پورا محکمہ قادیانیوں کے نرغے میں چلا جائے گا۔

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے حق میں پروپیگنڈہ مہم چلانے والے صحافیوں سے ہمارا ایک مختصر سا سوال ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نے پہلے ملک کو کیا دیا ہے؟ جواب اس سے توقع رکھی جائے کہ وہ ملک کے لئے بہت کچھ کر لے گا یہ بات سب کو معلوم ہے کہ یہ شخص مختلف ادوار میں سائنس کے حوالہ سے مختلف عہدوں پر فائز رہا کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس کے دور میں پاکستان نے سائنس کے شعبہ میں کتنی ترقی کی؟ اس نے کوئی ایسا نمایاں کارنامہ انجام دیا جو قابل ذکر ہو؟ اب اس کو دوبارہ خدمت سپرد کرنے کا کیا جواز ہے؟

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے بارے میں لندن کے اسی اردو اخبار کے ایک مراسلہ نگار نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اپنی "شیلف لائف" ختم کر چکا ہے۔ یعنی وہ ہوش و حواس قابو میں نہیں، مراسلہ نگار نے تفصیل لکھی ہے کہ ایک تقریب میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو دیکھا گیا کہ جو بول رہا تھا وہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ جو لکھتا تھا وہ پڑھا نہیں جاتا تھا۔ جسم کا کوئی عضو، ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے دماغ کا حکم مستعدی سے نہیں مان رہا تھا۔ ایک فیچر نگار نے لکھا ہے کہ وہ مختلف عارضوں میں مبتلا ہے۔ بھلا بتایئے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی جب اپنے صحت مند جسم اور حاضر دماغی کی حالت میں پاکستان کو کچھ نہ دے سکا تو اب سراپا بیمار وجود اور غیر حاضر دماغ سے پاکستان کو سائنس و ٹیکنالوجی میں کیسے ترقی سے ہمکنار کرے گا؟ پھر ان صحافیوں کو کیا ہو گیا جو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو اپنے اخبار میں اچھال رہے ہیں؟ کہیں قادیانیوں نے اس پروپیگنڈہ کی بھاری قیمت تو ادا نہیں کی؟

یہ تو تھا لندن کے اردو اخبار کا حال۔ کراچی کے ایک کثیر الاشاعت اخبار کے دانشوروں اور کالم نگاروں نے یہی رویہ اپنا رکھا ہے۔ وہ بھی ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے حق میں پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اخبارات کی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے حق میں یہ پروپیگنڈہ مہم کیوں چلائی جارہی ہے؟ ایک نوبل (سودی) انعام ہی تو ملا ہے وہ بھی نصف۔ ایسے سودی انعام ہر سال دنیا کے مختلف ملکوں کے مختلف لوگوں کو ملا کرتے ہیں۔ وہاں اخبار والے انعام ملنے والوں کو اتنا اچھالا نہیں کرتے جتنا ہمارے یہاں بعض اخبار والے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو اچھال رہے ہیں۔ کیا ان صحافیوں، دانشوروں اور کالم نگاروں کو یہ نہیں معلوم کہ جب ء۱۹۷۴ میں پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اپنے عہدے سے احتجاجاً استعفیٰ دے کر لندن جا بیٹھا۔ پھر ایک موقع پر پاکستان میں سائنس کانفرنس منعقد ہو رہی تھی تو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو شرکت کی دعوت دی گئی تو اس نے پاک سرزمین کو لعنتی قرار دے کر

دعوت مسترد کر دی آپ ہی اندازہ لگائیں کہ جو شخص پاک وطن کو لعنتی قرار دے رہا ہے اس شخص کے دل میں پاکستان کی کیا عزت و حرمت ہو سکتی ہے؟ اور وہ کس طرح مخلصانہ طور پر ملک کی خدمت کر سکتا ہے؟

لندن کے مذکورہ اخبار کے مراسلہ نگاروں کو شکوہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی مخالفت ملاّں کر رہے ہیں اور یہ کہ حکومت پاکستان ہر آدمی کے مذہب کی سرکاری طور پر جانچ پڑتال کرتی ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ مراسلہ نگار "ایک ترقی یافتہ ملک میں رہتے ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ایک ایسے ملک میں جو کسی نظریاتی بنیاد پر قائم کیا گیا وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ دیکھا اور پرکھا جائے کہ جس شخص کو کسی بڑے سرکاری عہدہ پر مقرر کیا جا رہا ہو وہ ہمارے ملک کے نظریہ سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اسلام کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ہے جو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے دوسرا یہ کہ پاکستان کا بھی دشمن ہے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ کیا ہمیں حق نہیں کہ ہم ڈاکٹر عبدالسلام کے قادیانی مذہب و عقیدے کی جانچ کریں اور دیکھیں کہ اس کا نظریہ ہمارے ملک کے نظریہ سے مطابق ہے یا نہیں۔ اس میں کیا قباحت ہے؟ ہم سائنس کے بدلے ایمان کا سودا کرنے والے نہیں ہیں یاد رکھیئے! ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اور ان کا گروہ پاکستان ہی کے مسلمانوں کو نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو سائنس کے پرفریب نعرہ کے جال اور قادیانیت کی دلدل میں پھنسانا چاہتا ہے۔ جس کا ہمیں علم ہے اس لئے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی مخالفت سائنسدان کی حیثیت سے نہیں بلکہ قادیانی ہونے کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ اگر ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی۔ مرزا غلام قادیانی کذاب پر لعنت بھیج کر مسلمان ہو جائے تو ہم اس کا استقبال کریں گے۔

سرکاری عہدوں پر فائز قادیانیوں نے کیا کیا گل کھلائے اور اپنے عہدوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانی جماعت کو کیا کیا فائدے پہنچائے یہ ایک طویل داستان ہے۔ آنجہانی چوہدری ظفر اللہ نے وزارتِ خارجہ کی گدی کو قادیانیت کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا۔ جب وہ اس منصب پر فائز تھا پاکستان کے تمام سفارتخانے قادیانیت کی تبلیغ کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ پھر یہ کہ چوہدری جی سرکاری احکامات پر قادیانی خلیفہ کی ہدایات کو ترجیح دیتا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں حکومت کی ہدایت تھی کہ جہانگیر پارک کراچی میں قادیانی جلسہ سے خطاب نہ کرو۔ لیکن "خلیفہ" کی ہدایت تھی جلسہ سے خطاب کرو۔ چنانچہ اسی جلسہ سے چوہدری جی نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ مرزا قادیانی کے بغیر اسلام خشک درخت ہے۔ ایک موقع پر جب چوہدری جی امریکہ سرکاری دورہ پر گیا تھا۔ سرکاری ہدایت تھی کہ چند دن مزید قیام کرو۔ جواب دیا گیا کہ "اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں امریکہ میں مزید قیام کروں تو آپ قادیانی خلیفہ "محمود احمد" کو درخواست کریں حکومت پاکستان کا نوکر یہ کورا جواب دیتا ہے۔ ان تجربات کی روشنی میں کیا ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو سرکاری عہدے پر فائز کرنا دانشمندی ہے؟

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ہے اور قادیانیوں کا پرجوش مبلغ و داعی ہے بلکہ اس کو اس بات کا اعتراف بھی ہے کہ اس کو نوبل (سوری) انعام جو ملا ہے وہ مرزا قادیانی کذاب کی پیشگوئی اور امام وقت "یعنی قادیانی سربراہ مرزا طاہر کی دعاؤں کا نتیجہ ہے" اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اپنے سوری انعام کو مرزا قادیانی کذاب کی صداقت کی دلیل ٹھہراتا ہے۔ اب بتائیے جو شخص اپنے ارتدادی مذہب میں اتنا کٹر ہے کہ اپنے انعام کو بھی قادیانیت کی سچائی کی دلیل ٹھہراتا ہے وہ مسلمانوں کے لئے لائق فخر کیسے ہو سکتا ہے؟

جب ان صحافیوں۔ دانشوروں اور کالم نگاروں کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام "قادیانی ہے تو جواب دیا جاتا ہے کہ:-

"ڈاکٹر عبدالسلام کا مسلک و مذہب کچھ ہو۔ اول۔ آخر۔ پاکستانی ہے۔

"وہ تیسری دنیا کے ممالک خصوصًا عالم اسلام اور پاکستان میں سائنس و ٹیکنالوجی کے فروغ کا خواہاں ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام۔ دستورِ پاکستان کی رو سے غیر مسلم سہی مگر ہے تو پاکستانی اور سائنس میں مذہبی امتیاز نہیں چلتا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جو ان صحافیوں۔ دانشوروں میں پائی جاتی ہے۔ دراصل یہ ذہن مغرب نے بنایا ہے مسلمان تو وہ ہوتا ہے جو دین و دنیا کے ہر معاملہ کو شریعت کی نظر سے دیکھے۔ غیر مسلم سے مسلمانوں کا دنیوی فائدہ ہو اور دینی نقصان نہیں تو فبہا۔ غیر مسلم سے دنیوی فائدہ اور اس کے نتیجے میں دینی و ایمانی ضرر ہے تو دنیوی نقصان برداشت کر لیا جاتا ہے لیکن دینی نقصان ہونے نہیں دیا جاتا۔ ایک یہودی۔ عیسائی ہندو یا دوسرا کوئی غیر مسلم سائنسدان یہ نہیں کہتا کہ "میں مسلمان ہوں" بلکہ وہ کہے گا میں غیر مسلم ہوں اور تم مسلمان۔ اس کے برعکس ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا عقیدہ ہے کہ وہ تو مسلمان ہے اور باقی دنیا کے ایک ارب مسلمان۔ کافر ہیں۔ پھر یہ کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی۔ مسلمانوں کے لبادہ میں مسلمانوں کے ایمان برباد کرے گا۔ جب کہ دوسرے غیر مسلم اپنی اصلی شکل میں آئیں گے۔ بتائیے بہتر کون ہو گا ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی یا دوسرا غیر مسلم سائنسدان؟ یاد رکھیں جو اسلام کے لبادہ میں مسلمانوں کا شکار کھیلے گا اس سے احتراز نہایت ضروری ہے۔

ہمارے صحافیوں نے بلا سوچے سمجھے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو "پاکستانی" ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا نہ اس کے کردار کو دیکھا نہ یہ دیکھا کہ اس

کے نزدیک پاکستان کا کیا عزت و حرمت ہے؟ ہمارے صحافیوں کو اس بارے میں علم ہی نہیں کہ قادیانی گروہ کے نزدیک پاکستان کا قیام عارضی ہے اور پاکستان کو توڑنے کا عزم رکھتے ہیں یقین نہ آئے تو قادیانی روز نامہ الفضل کے پرانے ریکارڈ میں ۷ ارمئی ۱۹۴۷ء کا اخبار اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ جس میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے خلیفہ دوم مرزا محمود کا اعلان ہے کہ "ہم تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے کوشش کریں گے دوبارہ متحد ہو جائیں۔ دوبارہ متحد کرنے کے الفاظ پر غور فرمائیے قادیانی خلیفہ کے منہ سے نکلی ہوئی بات قادیانیوں کے نزدیک حجت ہے۔ اس قسم کی ایک کیا متعدد تحریریں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اور اس کا گروہ "اکھنڈ بھارت" کا حامی ہے۔ اب بتائیے کہ جو شخص پاکستان کے قیام کو عارضی قرار دیتا ہے اور یہ عزائم رکھتا ہے کہ پاک بھارت کو دوبارہ متحد کریں گے کیا وہ پاکستانی کہلا سکتا ہے؟ یہ پاکستان دشمنی نہیں تو کیا ہے؟

۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ قادیانی اس فیصلے کو تسلیم کر لیتے لیکن قادیانیوں نے آئین کا مذاق اڑایا اور فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ واضح رہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ پوری پاکستانی مسلم قوم کا تھا اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں تھا حتیٰ کہ تمام سیاسی جماعتیں بھی اس مطالبہ پر متفق تھیں۔ اس کے علاوہ ساری امت کے نزدیک بھی قادیانی کافر ہیں اب آپ بتائیں جو گروہ یا شخص آئین پاکستان کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو وہ پاکستان کا وفادار ہے یا غدار؟

۸۴ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس نافذ ہوا۔ قادیانی سربراہ مرزا طاہر لندن فرار ہوا لندن سے پاکستان کے مسلمانوں کو دشمن قرار دیتے ہوئے "جنگ کا بگل" بجا دیا اور پاکستان میں افغانستان جیسے حالات پیدا کرنے کی دھمکی دی۔ کیا خیال ہے آپ کا کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا خلیفہ پاکستان کے خلاف جنگ کا بگل بجا رہا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی پاکستان کا ہمدرد و خیر خواہ ہے یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا ہمارے صحافی، دانشور اور کالم نگار اس مسئلے کا حل بتائیں گے؟

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے دل میں پاکستان کی کیا عزت و حرمت ہے اس کی ایک جھلک آپ کے سامنے رکھ چکے ہیں۔ اگر ہمارے یہ صحافی قادیانی نشیب و فراز سے واقف ہوتے اور قادیانیت کا گہرائی سے مطالعہ کرتے تو ہرگز قادیانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کی ہمدردی میں فیچر نہ لکھتے۔ نہ کالم لکھتے اور نہ اخبار والے بڑی بڑی تصاویر چھاپتے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس نے قادیانیت کا گہرائی سے مطالعہ کیا وہ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ قادیانیت، اسلام دشمن ٹولہ ہے جو یہودیوں اور سامراجیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو بھی یہودیوں نے اپنے مفاد حاصل کرنے کے لئے نوبل (سودی) انعام سے نوازا ہے۔ کیا ان معزز صحافیوں کی نظر سے پاکستان کے مایہ ناز مسلمان سائنسدان کا بیان نہیں گذرا جو انہوں نے ۱۹۸۶ء میں اپنے ایک انٹرویو کے دوران دیا تھا۔ ہفت روزہ چٹان لاہور کے مطابق پاکستان کے مایۂ ناز مسلمان سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ "یہودی چاہتے تھے کہ آئن سٹائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو نوبل (سودی) انعام دیا جائے۔ ڈاکٹر عبدالسلام، ۱۹۵۷ء سے کوشش میں تھا کہ اس کو نوبل سودی ملے چنانچہ اس کو مطلوبہ انعام مل گیا۔ گویا نوبل انعام کے لئے باقاعدہ کوشش کی گئی۔ یہ تھی نوبل (سودی) انعام کی حقیقت۔

سب سے آخری بات یہ ہے کہ قادیانی گروہ نہ اسلام کا وفادار ہے نہ ملک و قوم کا۔ مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک خط میں لکھا کہ "قادیانی اسلام و ملک کے غدار ہیں" ہم صحافیوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا قادیانیوں کے بارے میں آپ کی نظر گہری ہے یا علامہ اقبالؒ کی۔

لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی حمایت ترک کرتے ہوئے اس کی تشہیر بند کر دیں ورنہ آپ کی وجہ سے کوئی مسلمان اس کے ہتھے چڑھ کر مرتد ہو گیا تو کل قیامت کے دن آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا پڑے گا۔

بقیہ || نوبل سے انعام

کو انگریزی میں منتقل کیا ہے اور دانایان مغرب علامہ کے افکار پر سر دھنتے ہیں۔ لیکن وہ نوبل انعام کے مستحق نہیں گردانے گئے ہیں ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان تھے۔ حکیم اجمل خان مرحوم نے شعبہ طب میں کیسا نام پیدا کیا۔ ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی وغیرہ نے سائنسی ریسرچ میں کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ لیکن نوبل انعام کے مستحق نہ ٹھہرے یہ تو چند مثالیں محض برائے تذکرہ نوک قلم پر آگئیں۔ ورنہ ایک صدی کے پوری دنیائے اسلام کے نابغہ افراد کی فہرست کون مرتب کر سکتا ہے۔ لیکن کسی کو نوبل انعام کے لائق نہیں سمجھا گیا اور ڈاکٹر عبدالسلام میں کوئی خوبی تھی یا نہیں تھی مگر اس کی یہی ایک خوبی تھی کہ وہ قادیانی تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کا یہودیوں سے بھی بڑھ کر دشمن تھا۔ بس اس کی یہی ایک خوبی منصفان سویڈن کو پسند آگئی اور نوبل انعام اس کے قدموں میں نچھاور کر دیا گیا۔

نوبل انعام کیا ہے

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے لیے نوبل انعام تجویز ہوا۔ اور ۱۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو یہ انعام دے دیا گیا۔

یہ انعام کیا ہے؟ اور قادیانی اس سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان امور پر غور و فکر کی ضرورت تھی۔ مگر ان امور پہ پردہ ڈالنے کے لیے قادیانی یہودی لابی نے اس کا بے پناہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ کسی کو اس پہ غور و فکر کا موقع ہی نہ ملا۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نوبل انعام کا حصول گویا ایک مافوق الفطرت معجزہ ہے جو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے ذریعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس کو مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت کی دلیل بنانے کی بھی کوشش کی گئی۔ بہت سے مسلمان جن کو نہیں معلوم کہ نوبل انعام کیا چیز ہے اور جو نہیں جانتے تھے کہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کون ہے؟ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ نوبل انعام کی حقیقت واضح کی جائے۔

(ادارہ)

محمد حبیب اصغر قادیانی نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی پر ایک کتاب "وہ پہلا احمدی مسلمان سائنس دان عبدالسلام" کے نام سے بچوں کے لیے لکھا ہے، جس میں وہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالے سے لکھتا ہے:۔

بچو! نوبل انعام ایک سویڈش سائنسدان مسٹر الفریڈ برنارڈ نوبل کی یاد میں دیا جاتا ہے۔ نوبل ۲۱ اکتوبر ۱۸۳۳ء میں سٹاک ہوم کے مقام پہ جو کہ سویڈن کا دارالحکومت ہے پیدا ہوا اور ۱۰ دسمبر ۱۸۹۶ء کو اٹلی میں فوت ہوا۔ نوبل ایک بہت بڑا کیمیا دان اور انجینئر تھا۔ اس کی وصیت کے مطابق ایک فاؤنڈیشن بنائی گئی جس کا نام نوبل فاؤنڈیشن رکھا گیا۔ یہ فاؤنڈیشن ہر سال ۵ انعامات دیتی ہے ان انعامات کی تقسیم کا آغاز دسمبر ۱۹۰۱ء میں ہوا جو کہ الفریڈ نوبل کی پانچویں برسی تھی۔

نوبل انعام فزکس، فزیالوجی، کیمسٹری یا میڈیسن، ادب اور امن کے شعبوں اور میدانوں میں نمایاں اور امتیازی کارنامہ سرانجام دینے والے کو دیا جاتا ہے۔ ہر انعام ایک طلائی تمغہ اور سرٹیفکیٹ اور رقم بطور انعام جو کہ تقریباً ۸۰ ہزار پونڈ پر مشتمل ہوتی ہے دی جاتی ہے۔ نوبل انعام حاصل کرنے والے امیدواروں کے نام مختلف ایجنسیوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اور وہ انعام کے صحیح حقدار کا فیصلہ کرتی ہیں مثلاً فزکس اور کیمسٹری رائل اکیڈمی آف سائنس سٹاک ہوم کے سپرد ہوتی ہے۔ فزیالوجی یا میڈیسن، کیرولین میڈیکل انسٹیٹیوٹ سٹاک ہوم کے سپرد ہوتی ہے۔ ادب کا مضمون سویڈش اکیڈیمی آف فرانس اور اسپین کے سپرد اور امن کا انعام ایک کمیٹی کے سپرد ہوتا ہے جس کے پانچ ممبر ہوتے ہیں جو کہ ناروجین پارلیمنٹ چنتی ہے"

(کتاب مذکورہ ص ۴۹، ۵۱)

نوبل انعام کے بارے میں مزید معلومات یہ ذہن میں رکھنی چاہیے۔

(۱) الفریڈ برنارڈ نوبل ڈائنامائٹ کا موجد اور سائنسدان تھا جنگی آلات، بارود اور تارپیڈو وغیرہ پر تحقیقات کرتا رہا بالآخر اس نے جنگی آلات تیار کرنے والی دنیا کی سب سے نامور کمپنی "بوفورز کمپنی" خریدی۔

(۲) ڈائنامائٹ کے تجربات کرتے اس کے بھائی کی اور تین اور اشخاص کی موت واقع ہوئی جو اس کے تجربات کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اس سے اس شخص پر قنوطیت کی کیفیت طاری ہوئی اور گویا اس کے کفارہ میں اس نے اپنی جائداد کا بڑا حصہ "نوبل انعام" کے لئے وقف کر دیا۔

(۳) وقف کی اصل رقم (اس زمانہ کے ایکسچینج کے مطابق) تراسی لاکھ گیارہ ہزار ڈالر تھی۔ وصیت یہ کی گئی کہ اصل رقم بینک میں محفوظ رہے اور اس کے سود سے انعامات کی رقم پانچ شعبوں میں جن کا تذکرہ مذکورہ بالا اقتباس میں آ چکا ہے) مساوی تقسیم کی جائے۔

ہر شعبہ میں اگر ایک ہی آدمی انعام کا مستحق قرار دیا جائے تو اس شعبہ کے حصہ کی پوری انعامی رقم اس کو دی جائے۔ اور اگر کسی شعبے میں ایک سے زائد افراد کے نام (جن کی تعداد تین سے زیادہ کسی صورت میں نہیں ہونی چاہیئے) انعام کے لئے تجویز کئے جائیں تو اس شعبہ کے حصہ کی سودی رقم ان افراد میں برابر تقسیم کر دی جائے۔ ایک شرط یہ بھی رکھی گئی کہ اگر مجوزہ شخص انعام وصول کرنے سے انکار کر دے تو اس کا حصہ اصل زر میں شامل کر دیا جائے۔

چنانچہ ۱۹۴۸ء میں ہر شعبہ کے حصہ میں سود کی یہ سالانہ رقم بتیس ہزار ڈالر آئی۔ اور ۱۹۸۰ء میں یہ سودی رقم بڑھ کر دو لاکھ دس ہزار ڈالر ہو گئی۔

(۴) فزکس کے شعبہ میں تقریباً سو افراد کو یہ سودی انعام مل چکا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں سر سی وی رامن (ہندوستانی ہندو) واحد شخص تھا جس کو فزکس میں نوبل انعام ملا۔ اور ۱۹۸۳ء میں ایک اور ہندوستانی امریکن کو یہ انعام ملا۔

(۵) ادب کے شعبہ میں رابندرناتھ بنگالی ہندو کو ۱۹۱۳ء میں یہ نوبل انعام ملا۔ گزشتہ چند سالوں میں جنوبی امریکہ کے چند باشندوں اور جاپان کے ادیب کو نوبل انعام ملا۔

(۶) امن کے شعبہ میں ۱۹۷۳ء میں امریکہ کے ہنری کیسنجر اور شمالی ویت نام کے مسٹر تھو کو نوبل انعام ملا۔ لیکن مسٹر تھو کی غیرت نے اس انعام کے وصول کرنے سے انکار کر دیا ان دونوں کے لیے یہ انعام ویت نام میں جنگ بندی کی بات چیت کی بنا پر تجویز کیا گیا تھا۔

۱۹۷۹ء میں ہندی قومیت کی حامل ایک مجرد خاتون "ٹریسا" کو امن کے "نوبل انعام" سے نوازا گیا، اور ۱۹۷۸ء میں مصر کے سابق صدر انور سادات اور اسرائیل کے اس وقت کے وزیر اعظم مناحم بیگن کو "امن کا نوبل انعام" عطاء کیا گیا۔ محض اس خوشی میں کہ موخر الذکر نے اول الذکر سے "اسرائیل" کو باقاعدہ تسلیم کرا لیا تھا۔

مندرجہ بالا اشارات سے درج ذیل امور معلوم ہوئے:

اول یہ کہ انعامات اس شخص (مسٹر نوبل) کی یاد میں دیئے جاتے ہیں جس نے دنیا کو مہلک ہتھیاروں کا سبق پڑھایا۔ اور جو امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ وغیرہ کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے۔

دوم۔ یہ انعامات جس رقم سے دیئے جاتے ہیں وہ خالص سودی رقم ہے، جس کے لینے دینے والے کو آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون قرار دیا ہے۔

عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، سود لینے والے پر، اس کے دینے والے پر، اس کے لکھنے والے پر، اس کے گواہوں پر اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔

اور جس کو قرآن کریم نے خدا اور رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا ہے:۔

فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔

سوم۔ یہ انعام نہ کوئی خرق عادت معجزہ ہے اور نہ کوئی انسانی تاریخ کا کوئی غیر معمولی واقعہ ہے۔ مختلف ممالک میں سرکاری اور نجی طور پر مختلف قسم کے انعامات جو ہر سال تقسیم کئے جاتے ہیں، اسی قسم کا ایک انعام یہ "نوبل انعام" بھی ہے۔ چنانچہ یہ "نوبل انعام" ہر سال کچھ لوگوں کو ملتا ہے۔ ہندوستان اور بنگال کے ہندوؤں کو بھی مل چکا ہے اسرائیل کے یہودی کو بھی دیا جا چکا ہے۔ اور نصرانی مبلغہ "ٹریسا" بھی اس شرف سے (اگر اس کو شرف کہنا صحیح ہے) مشرف ہو چکی ہے۔

الغرض یہ نوبل انعام جو قریباً ایک صدی سے مروج ہے، سینکڑوں اشخاص کو مل چکا ہے کیا یہ کہیں سننے میں آیا ہے کہ سینکڑوں یہودی نصرانی اور دہریئے یہ کہہ کر دنیا پر پل پڑے ہوں کہ ہمیں نوبل انعام کا ملنا ہمارے مذہب کی حقانیت کی دلیل ہے، یہ میرے مذہب کے برحق ہونے کا معجزہ ہے لہٰذا میرا دین اور میرا نظریہ حیات سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

اور ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو جو انعام دیا گیا وہ ایک مشترکہ انعام ہے جو طبیعیات کے شعبہ میں ۱۹۷۹ء میں تین اشخاص کو دیا گیا جن میں ایک ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی بھی تھا۔ اس سے بڑا کارنامہ تو اس ہندو کا تھا جس نے ۱۹۳۰ء میں طبیعیات کا انعام تن تنہا حاصل کیا۔ اب اگر ایک قادیانی کو طبیعیات کا مشترکہ انعام ملنا اس کے مذہب کی حقانیت کی دلیل ہے تو اس سے نصف صدی قبل ایک ہندو کو تن تنہا یہی انعام ملنا بدرجہ اولیٰ ہندو مذہب کی حقانیت کی دلیل ہونی چاہیئے اس لیے اس کو ایک غیر معمولی اور خرق عادت واقعہ کی حیثیت سے پیش کرنا قادیانی مراق کی شعبدہ کاری ہے۔

چہارم: ان انعامات کی تقسیم میں تقسیم کنندگان کی کچھ سیاسی وذہنی مصلحتیں کارفرما ہوتی ہیں۔ اور جن افراد کو ان انعامات کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، ان کے انتخاب میں بھی یہی مصلحتیں جھلکتی ہیں۔

چنانچہ ان سینکڑوں افراد کے ناموں کی فہرست پر سرسری نظر ڈالئے۔۔۔۔۔ جن کو نوبل انعام سے نوازا گیا ان میں آپ کو الا ماشاء اللہ سب کے سب یہودی، عیسائی اور دہریئے نظر آئیں گے سویڈن کے منصفوں کی نگاہ میں پوری صدی میں ایک مسلمان بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو طب، ادب، طبیعیات وغیرہ کے کسی شعبہ میں کوئی اہم کارنامہ سر انجام دے سکا ہو، ہر شخص منصفان سویڈن کی نگاہ انتخاب کی داد دے گا۔ جب وہ یہ دیکھے گا کہ رابندر ناتھ ٹیگور ہندو کو بنگالی زبان کی شاعری پر نوبل انعام کا مستحق سمجھا گیا۔ جاپانی ادیب کو اپنی زبان میں ادبی کارنامے پر نوبل انعام کا استحقاق بخشا گیا۔ جنوبی امریکہ کی ریاستوں کے باشندوں کے اپنی زبانوں میں ادبی کارناموں کو مستند سمجھتے ہوئے لائق انعام سمجھا گیا۔ لیکن بر کوچک پاک و ہند کے کسی ادیب، کسی شاعر اور کسی صاحب فن کی طرف منصفان سویڈن کی نظریں نہیں اٹھ سکیں۔۔۔۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ مسلمان تھے۔ مثال کے طور پر ہمارے علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کو لیجئے، پوری دنیا میں ان کے ادب و زبان کا غلغلہ بلند ہے انگلستان کے نامور پروفیسروں نے ان کے ادبی شہ پاروں

باقی صفحہ پہ

مُفت مشورہ برائے خدمتِ خلق،

ہمارے پاس شفاء کی کوئی گارنٹی نہیں ہے، شفاء کی گارنٹی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔
عام جسمانی طاقت، خون، بھوک و ہاضمہ کے لئے ● دل، دماغ، جگر، معدہ، مثانہ، پٹھے، و ہاضمہ کے لئے ● جسم کو مضبوط، سمارٹ، خوبصورت، و طاقتور بنانے کے لئے ● تمام خاص مردانہ زنانہ و بچوں کی امراض کے لئے ● دودھ، مکھن، گوشت و فروٹ ہضم کرنے کے لئے ● تمام پرانی بیماریوں کے لئے ● چالیس سال کی تجربہ شدہ۔
دیسی دواؤں کا مفت مشورہ جواب کیلئے جوابی لفافہ یا اسکی قیمت ارسال کریں۔
حکیم بشیر احمد بشیر رجسٹرڈ کوالیفائڈ گورنمنٹ آف پاکستان
فون دکان 354840
رہائش 354795
جھانڈی چوک محلہ غلام محمد آباد، فیصل آباد۔ پوسٹ کوڈ 38900
MUHAMMADI FSD.

جو خدا کا ہوا خدا اس کا ہوا

محمد خالد ندوی غازی پوری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عباس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

یا غلام انی اعلمك كلمات احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك اذا سالت فاسال الله اذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشئ لم ينفعوك الا بشئ قد كتبه الله لك وان اجتمعوا على ان يضروك بشئ لم يضروك الا بشئ قد كتبه الله عليك رفعت الاقلام وجفت الصحف

(رواہ الترمذی، ج ۲ ص ۷۸)

عزیزم میں تمہیں کچھ باتیں بتاتا ہوں۔ یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے حقوق (احکام) کی حفاظت کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اس کے حق کی حفاظت کرو، تم اللہ رب العزت کو اپنے روبرو پاؤ گے (اللہ کا حق یاد رکھو یہ ہے) جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب تم مدد چاہو اور یاد رکھو، سارے لوگ مل کر تمہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو تمہیں وہ اسی قدر فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ جتنا اللہ رب العزت نے لکھ دیا ہے اگر سارے لوگ مل کر تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان اتنا ہی پہنچ سکتا ہے جتنا نوشتہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور کتابیں خشک ہو گئیں اب لکھا ہوا مٹ نہیں سکتا اور نہ گھٹ اور بڑھ سکتا ہے۔

• مومن کی زندگی اسی ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں گذرتی ہے۔ وہ حالات سے ہراساں ہو کر مایوس نہیں ہو جاتا۔ تحفظات کی خاطر سیاسی بازی گروں کے در دولت پر حاضر ہو کر اپنے ایمان و عقیدہ کو نقصان پہنچا کر کوئی سودا نہیں کرتا۔ وہ اسباب و وسائل کو بھی ناگزیر ضرور سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ اس دار الاسباب میں اس کو اس کا حکم دیا گیا لیکن اصلاً اعتماد و بھروسہ خدا کی ذات پر کرتا ہے بلکہ اسے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ مالک حقیقی کی شان میں کوئی چوک و مس نہ ہو، کیونکہ کسی ادنیٰ گناہ کا خیال بھی پہاڑوں کے نیچے دب جانے سے زیادہ اسے تڑپاتا ہے۔ مومن کی یہی شان ہے۔ ارشاد رسول ہے

وان المومن يرى ذنوبه كانه فى اصل جبل يخاف ان يقع عليه وان الفاجر يرى ذنوبه كذباب وقع على انفه فقال به هكذا فطار"

مومن اپنے گناہوں کو ایسا خیال کرتا ہے کہ جیسے پہاڑ کہ اندیشہ ہو کہ اس پر گر پڑے گا اور فاجر شخص گناہ کو سمجھتا ہے کہ ناک پر بیٹھی ہوئی ایک مکھی ہے۔ ذرا سی حرکت سے اڑا دے گا۔ ترمذی)

دیندار اور بے دین کے درمیان یہی فرق ہے۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، مگر وہ جس کو میں نے ہدایت دی تو تم ہدایت مجھ ہی سے طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ تم سب فقیر و محتاج ہو مگر جس کو میں نے غنی کیا۔ وہ غنی ہے تو تم مجھ سے روزی طلب کرو۔ میں روزی دوں گا۔ میرے عطا کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اگلے پچھلے، مردہ زندہ، خشک و تر سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ہر ایک تم میں سے اپنی خواہش کے مطابق مانگے تو میں ہر ایک کو اس کی خواہش کے مطابق دے دوں اور پھر بھی میری عطا و کرم کے خزانے میں ذرا بھی کمی نہیں آ سکتی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فکر لاحق ہوتی تو آپ دست مبارک داڑھی پر پھیرتے ہوئے ٹھنڈی سانس لیتے اور فرماتے۔

حسبنا الله ونعم الوكيل

مومن ہر حال میں اللہ کا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہو جاتے ہیں اور بادشاہوں حاکموں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اور اگر طاعت سے کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے تو دلوں میں نفرت کے بیج بوئے جاتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ ان کے حاکموں کا معاملہ بہت سخت ہوتا ہے۔ بدترین سزائیں دیتے ہیں۔ اس وقت اس کی پکار و دعا بھی کارگر نہیں ہوتی، مگر یہ کہ اپنی حالت سدھاری جائے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے حکموں پر چلنے کی کوشش کی جائے۔

دعا کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے دل کھوٹ عداوت بغض، کینہ اور آپسی اختلاف سے پاک ہوں۔ لڑائی جھگڑے آپس میں نہ ہوں۔ نزاع باہمی سے حتی الامکان بچا جا رہا ہو، کیونکہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز روزہ اور صدقے سے بھی درجہ میں بڑھا ہوا عمل نہ بتا دوں وہ باہمی اتفاق ہے۔ بے شک باہمی اختلاف (دلوں کا بگاڑ) دین کو ڈھو دینے والا ہے۔ ترمذی یعنی دلوں کے بگاڑ کے ساتھ دین پنپ نہیں سکتا ہے۔ لہذا اس سے بہت بچنا چاہیے۔ اسی جھوٹ غیبت نفاق جیسی عملی کمزوریاں سے اجتناب کیا

باقی صہ ۲۶ پر

امانتداری پر اللہ تعالیٰ کا انعام

قاضی افتخار الدین ندوی

ابن عماد نے مشہور فقیہ و امام علامہ ابن رجب حنبلی کے حوالے سے طبقات میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ ایک حنبلی امام جن کا نام محمد بن عبد الباقی تھا۔ البزاز کے نام سے مشہور تھے۔ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے اسی لئے یہ خطاب ان کا مشہور ہوا۔ اس زمانہ کے مستند علماء میں ان کا شمار تھا۔ مسند العراق سمجھے جاتے تھے۔ بڑے بڑے اساتذہ مثلاً قاضی ابو یعلی علامہ ابو الطیب الطبری ابو محمد الجوہری وغیرہ ان کے مختلف علوم و فنون میں ان کے شاگرد تھے۔ ان کا واقعہ جس کا ذکر ابن رجب نے اپنے طبقات میں کیا ہے۔ واقعہ کو خود ان ہی علامہ محمد بن عبد الباقی البزاز سے ابن ابی الفوارس نے ان ہی کی زبان سے سنا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں مکہ میں مقیم تھا۔ اتفاقاً ایک دن یہ صورت پیش آئی کہ کھانے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ بھوک سے میری حالت زیادہ نڈھال ہوتی جا رہی تھی۔ اسی حال میں جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک بٹوہ جو راستہ میں پڑا ہوا تھا، اس پر میری نظر پڑی۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔ یہ ریشم کا بٹوہ تھا اور ریشم ہی کے ڈورے سے بندھا ہوا تھا۔ حجرہ میں لا کر میں نے جب اس کو کھولا تو دیکھا کہ موتیوں کا ایک ہار اس میں رکھا ہوا ہے۔ ایسے قیمتی موتی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھے تھے۔ میں نے اس ہار کو اپنے حجرہ میں جا کر رکھ دیا اور جب حجرہ سے باہر نکلا، سامنے دیکھا کہ ایک شخص پکار رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک رومال ہے جس میں کچھ چیز بندھی ہوئی ہے اور یہ کہہ رہا ہے۔ میرا بٹوہ جس میں موتیوں کا ہار ہے گم ہو گیا ہے جو صاحب اس کا پتہ دیں گے۔ ان کو یہ پانچ سو اشرفیاں جو تھیلی میں بندھی ہوئی ہیں، اسی وقت انعام دوں گا۔ یہ دیکھ کر میں نے بڑے میاں کو بلایا اور اپنے ساتھ حجرہ میں لے گیا۔ بٹوہ کے ڈورے اور کپڑے کی حالت موتیوں کی تعداد وغیرہ دریافت کی۔ اس نے جو کچھ بتلایا اس بٹوہ اور ہار میں ساری علامتیں پائی گئیں۔ تب میں نے نکال کر وہ بٹوہ اس کے حوالے کر دیا۔ وہ بڑا ممنون و مشکور ہوا اور حسب وعدہ پانچ سو اشرفیاں مجھے دینے لگا اس وقت میرے ضمیر نے یہ گوارہ نہ کیا کہ اس عمل کا اس سے معاوضہ لیا جاوے شکریہ کے ساتھ وہ اشرفیاں واپس کر دیں مگر وہ اصرار کرنے لگا۔ بات بہت دیر تک ہوتی رہی۔ آخر کار مجبور ہو کر وہ چلا گیا۔ اس وقت میری حالت بہت نازک تھی۔ عسرت و تنگدستی میں زندگی گذر رہی تھی اور اکثر و بیشتر فاقہ مستی کا شکار تھا۔ یہاں تک تو خیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ آگے چل کر شیخ بیان کرتے ہیں کہ کچھ دن بعد میں مکہ سے روانہ ہوا۔ جہاز کا سفر کر رہا تھا کہ اچانک طوفانی ہوا کا زور بڑھا اور جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے۔ سب مسافر ڈوب گئے صرف میں کسی تختہ پر بیٹھ کر ایک جزیرے کے ساحل تک پہنچ گیا۔ اب یہیں سے اصل عبرت انگیز داستان شروع ہوتی ہے۔

قدرت کی کارفرمائیوں پر تعجب ہوتا ہے۔ شیخ نے دیانت و امانت کے حقوق ادا کئے تھے۔ چاہتے تو موتیوں کے اس ہار کو دبا بیٹھتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ عمل حق تعالیٰ کو پسند آیا اور دار الجزاء نہیں ہے لیکن اہل ایمان کی تسلی و اطمینان کے لئے کبھی کبھی اس دنیا میں بھی اعمال جزائی شکلوں کا ظہور ہو جاتا ہے۔ یہی صورت شیخ کے ساتھ پیش آئی ہے کہتے تھے کہ اس جزیرہ میں جو لوگ آباد تھے ان ہی کے پاس چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ سب مسلمان ہیں۔ ایک مسجد پر نظر پڑی وہیں جا کر میں ٹھہر گیا نمازی جب نماز کے لئے آئے تو مجھ سے حال دریافت کیا جو گذری تھی بیان کیا۔ لوگ مجھ سے مانوس ہو گئے۔ ان پر جب یہ واضح ہوا کہ میں قرآن پڑھا ہوا ہوں اور پڑھا سکتا ہوں تو لوگ مجھ سے قرآن پڑھنے کے لئے آنے لگے اسی عرصہ میں ان کو معلوم ہوا کہ پڑھنے کے علاوہ لکھ بھی سکتا ہوں تب وہ مجھ پر ٹوٹ پڑتے اور اپنے بچوں کو لے کر میرے پاس آتے کہ ان کو لکھنا پڑھنا سکھا دو لڑکوں کے ساتھ نوجوان بھی مجھ سے پڑھنے لگے اور اب میں ہی ان لوگوں کا مرجع و ماویٰ بن گیا۔ کافی مالی امداد بھی ان لوگوں سے مجھے ملتی رہی۔ آخر میں ان کی دلچسپیاں میرے ساتھ اس درجہ بڑھ گئیں کہ مجھے قائل کر کے اپنے ہی پاس رکھ لینے کا فیصلہ ان لوگوں نے کیا میرے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے یہاں ایک مالدار یتیم لڑکی ہے جس کا عقد ہم کسی اچھے آدمی سے کرنا چاہتے ہیں۔ تم سے بہتر شوہر اس لڑکی کے لئے کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم سب کی متفقہ رائے ہے کہ اس لڑکی سے تم نکاح کر لو۔ رد و کد کے بعد شیخ کو بالآخر لوگوں کی اس درخواست کو قبول کر لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ عقد ہو گیا۔ جب خلوت میں شیخ اپنی بیوی کے ساتھ ہوئے تو اچانک ان کی نظر ایک ایسی چیز پر پڑی جسے دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ موتیوں کا وہی ہار جو بٹوہ میں بمقام مکہ راستہ پر پڑا ان کو ملا تھا۔ بجنسہ وہی ہار اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے جو ان کی دلہن بن کر اس وقت ان کے سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تھا اور یہ لڑکی اسی حاجی کی تھی جسے شیخ نے محض اللہ کے لئے ہار کو واپس کر دیا تھا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ لڑکی کا باپ حج سے جب واپس اپنے جزیرہ میں آیا تو ہار کے گم ہونے اور پھر جس طرح وہ ملا اس کا ذکر کرتے

باقی صـ ۲۶ پر

داستان ازبلا

اسپین کی تاریخ کا ایک منفرد واقعہ

جس نے عیسائی دنیا میں ہلچل مچادی

ردِّ عیسائیت پر جدید انداز میں ایک دلچسپ سلسلہ

قسط ۴

از: محمد سعید خان دہلوی

دوسری مجلس

پیر کے روز گرجا میں پادریوں کی پھر آمدورفت شروع ہوگئی۔ اور آج ازبلا کے ساتھ بہت سی مسیحی خواتین بھی آئیں تاکہ وہ بھی اس بحث کو سن کر لطف اندوز ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد عمر لخمی معاذ اور دیگر چند علماء کرام بھی پہنچے۔ ان کے آتے ہی پادریوں کے چہرے متغیر ہوگئے۔ اور وہ ایک دوسرے سے نہایت خاموشی کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں عمر لخمی نے مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

عمر لخمی: ”جیساکہ کل طے ہوچکا ہے آج مسیح کی الوہیت اور کفارہ پر بحث ہوگی چونکہ بیک وقت ان مسائل پر پوری بحث نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ان دونوں میں سے پہلے کسی ایک مسئلہ کو منتخب کرلیا جائے۔

پطرس: ”دونوں مسئلے درحقیقت ایک ہی ہیں اور دونوں کا آپس میں تعلق ہے۔ آپ جس مسئلے پر چاہیں تقریر کریں۔

عمر لخمی: نے قرآن شریف سے سورۃ فرقان کی چند آیات تلاوت کیں جن کے اثر سے ازبلا کے چہرے پر تغیر کے آثار نمایاں ہوگئے اور آخر میں تو اس پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ وہ بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ فوراً تمام سہیلیوں نے اسے پکڑ کر اٹھایا۔ پطرس اور میکائیل نے بے ہوشی کی وجہ دریافت کی۔ مگر ازبلا بجائے جواب دینے کے اپنے رخساروں پر آنسوؤں کی [illegible]

بڑی مشکل سے ازبلا کو ہوش میں لایا گیا۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ مجھ پر ایک ماہ سے غشی اور بے ہوشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ آپ فکر نہ کیجئے اور بحث و نظر کی کارروائی کو جاری رکھیئے۔ بعض پادریوں کو شبہ ہوگیا تھا کہ شاید ازبلا پر اسلام کا کچھ اثر پڑ گیا ہے۔ مگر ازبلا کی اس تصنع آمیز گفتگو سے یہ شبہ زائل ہوگیا۔ اور اب مجلس کی کارروائی پھر شروع ہوئی۔ عمر لخمی سکون کے بعد پھر کھڑے ہوئے۔

عمر لخمی: ”صاحبان! ہم سے کہا گیا ہے کہ مسیحی عقائد کا اصل اصول مسیح کی الوہیت اور کفارہ ہیں۔ اس وقت میں صرف کفارہ کے متعلق ایک بات دریافت کرنی چاہتا ہوں۔ اسی میں مسیح کی الوہیت کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔ وہ بات یہ ہے کہ کفارہ کے لئے خدا کے بیٹے کی کیا ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے کسی نیک انسان کو منتخب کرلیا جاتا جو تمام گناہ گاروں کے بدلے میں صلیب پر چڑھ کر جان دے دیتا۔ آخر خدا کے بیٹے ہی کو کیوں مصلوب کیا گیا؟

اس سوال کا جواب دینے کے لئے مقدس پطرس کو پھر منتخب کیا گیا۔ مگر ان کی حالت سخت زبوں تھی۔ انتہائی مذبذب کے عالم میں کھڑے ہوئے اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے یوں ارشاد فرمایا:۔

پطرس: ”کفارہ کے لئے خدا کے بیٹے ہی کی ضرورت تھی کیونکہ تمام انسان خواہ وہ نبی ہوں یا رسول گناہ گار [illegible] کا شفیع نہیں بن سکتا چونکہ خداوند یسوع مسیح خدا کے اکلوتے بیٹے اور گناہوں سے پاک تھے۔ اس لئے انہی کو گناہ گاروں کی خاطر مصلوب کیا گیا۔

عمر لخمی: ”بہت خوب! مگر یہ فرمادیجئے کہ مصلوب کیا چیز ہوئی؟ یعنی مسیح کی خدائی مصلوب اور کفارہ ہوئی یا مسیح کی انسانیت۔ اگر مسیح کی خدائی مصلوب ہوئی تو معلوم ہوا کہ خدا کی ذات واحد نے صلیب کی تکلیفوں کو برداشت کیا۔ اور خدا ہی کی ذات پر موت وارد ہوئی گویا خدا مرگیا۔ اگر کہو کہ مسیح کی انسانیت مصلوب ہوئی اور اس نے تمام تکلیفیں برداشت کیں تو پھر آپ کا جواب بیکار ہوگیا کیونکہ اس صورت میں کسی انسان ہی کو صلیب پر چڑھانا مناسب تھا۔ نہ کہ خدا کو۔ اس لئے کہ دونوں صورتوں میں صرف انسانیت ہی کو مصلوب ہونا تھا۔ نہ کہ خدائی کو۔“

پطرس: ”بے شک خداوند یسوع مسیح کامل خدا اور کامل انسان تھا۔ یعنی اس میں دونوں چیزیں یکجا موجود تھیں۔ لیکن اس کی انسانیت بھی اس کی الوہیت کی طرح گناہوں سے پاک تھی۔ اسی لئے ان کا کفارہ ہونا ضروری تھا۔ چونکہ دوسرے انسان سب کے سب گناہ گار ہیں اس لئے وہ کفارہ نہیں ہوسکتے تھے۔

عمر لخمی: ”گویا صرف اس لیے کہ دنیا میں کوئی بے گناہ انسان موجود نہ تھا جو کفارہ ہوتا۔ آسمان سے خدا ہی کو نیچے آنا پڑا۔ اور یہاں آکر بھی اس کی خدائی مصلوب نہ ہوئی۔ بلکہ انسانیت ہی مصلوب ہوئی۔ اگر کفارہ کے لیے کسی بے گناہ انسان کی تلاش تھی تو خدا نے خود آنے کی بجائے ایک ایسا انسان پیدا کیوں نہ کردیا۔

جو بے گناہ ہوتا اور بجائے خدا کے خود صلیب پر مر کر کفارہ ہو جاتا۔"

پطرس: "خدا کے بھید خدا ہی جانتا ہے۔ ہم کچھ نہیں بتا سکتے کہ اس نے ایسا کیوں نہ کیا۔ اور خود کیوں اس کام کے لئے دنیا میں آگیا۔ البتہ ایک بات معلوم ہوتی ہے۔ یعنی خدا کا کفارہ کے لئے دنیا میں آنا اس کے کمال محبت و شفقت پر دلالت کرتا ہے۔ گویا خدا نے اپنے بندوں سے ایسا پیار کیا کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بھیج دیا۔ جو دوسروں کے بدلہ میں اپنی جان فدیہ میں دے گیا۔ خدا کے بجائے کسی انسان کے بھیجنے سے یہ مقصد ہرگز پورا نہ ہو سکتا۔"

عمر لحمی: "اگر خدا اپنے بندوں کو ایسا ہی پیار کرنا چاہتا تھا تو اس نے آغاز ہی میں اپنے بیٹے کو کیوں نہ بھیج کر سولی پر مار دیا؟ کیا حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کی مخلوق سے کوئی تعلق نہ تھا؟ پھر اس نے اپنی محبت کا اظہار ہزاروں برس بعد کیوں کیا؟"

پطرس: "اس راز کا علم ہم کو نہیں۔ خدا کے بھید خدا ہی جانتا ہے۔"

عمر لحمی: "میرا سوال بدستور باقی ہے۔ بھید بھید کہنے سے کچھ نہیں بنتا۔ ہاں تو فرمایئے کہ جب مصلوب انسانیت ہی ہوئی تو خدا کا خود آنا بیکار ثابت ہوا۔ کسی اور ہی انسان کو بھینٹ چڑھا دیا جاتا۔"

پطرس: "میں جواب دے چکا کہ اور انسان گناہ گار ہونے کی وجہ سے کفارہ نہیں ہو سکتے تھے۔ مسیح کی انسانیت اس لیے کفارہ ہوئی کہ وہ معصومیت اور بے گناہی کا پیکر تھی۔"

عمر لحمی: "چونکہ مسیح کی انسانیت معصوم اور بے گناہ تھی لہٰذا ضروری ہوا کہ اس پر تمام انسانوں کے گناہ لاد دیے جائیں۔ پادری صاحب! آپ کی منطق میں تو کیا آپ خود بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اچھا یہ تو بتایئے کہ اگر خدا کا اکلوتا فرزند بجائے دوسروں کے گناہوں کو سر پر اٹھانے کے دوسروں کے لیے کوئی ایسی نیکی کر جاتا جو سب کے گناہوں پر غالب آجاتی تو کیا حرج تھا۔ اس صورت میں نہ تو بے گناہ مسیح پر دوسروں کے گناہوں کا پشتارہ رکھا جاتا نہ وہ صلیب پر مرتا اور نہ الوہیت اور انسانیت کا جھگڑا کھڑا ہوتا۔ گناہ کا علاج نیکی ہے۔ مسیح کو یہاں آکر گناہوں پر غالب آنے کیلئے کوئی ایسی نیکی کرنی چاہیے تھی۔ جو سب گناہوں کیلئے کافی ہوتی۔ نہ یہ کہ گناہ کا مقابلہ کرنے کے لیے خودکشی کر لی جائے۔"

پطرس: "ہم خدا کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتے۔ اس نے جیسا چاہا ویسا کیا۔ خدا کو سبق پڑھانا آپ کی گستاخی ہے۔"

عمر لحمی: "یہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مسیحؑ حضرت مریم صدیقہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو اس پیدائش کا تعلق انسان سے تھا یا خدا سے۔ یعنی خدا پیدا ہوا یا انسان؟"

(باقی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

کے اصلاحی کارنامے

خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد زمام حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالی۔ ان کے عہد خلافت میں، اگرچہ خلافت راشدہ کی شان باقی نہ رہی پھر بھی انھوں نے براہ راست فیضان نبوت سے اکتساب کیا تھا، حضرات خلفاء راشدین کی زندگیاں اور کارنامے ان کی نگاہوں کے سامنے تھے اس لیے دولت و ثروت کی عام فراوانی کے باوجود ان کا طریق حکومت باعتبار دنیا کے دین سے قریب تر تھا لیکن بعد میں آنے والے خلفائے بنو امیہ اس صورت حال کو برقرار نہ رکھ سکے اور اسلام کی اعلیٰ قدروں کی جگہ نسلی عصبیت قبائلی جنبہ داری، خوشامد پسندی، مال و جاہ کی بے جا ہوس، بیت المال میں مالکانہ تصرف وغیرہ جیسے امراض نے پورے معاشرہ کو اپنے شکنجہ میں جکڑ لیا۔ حالات کے رخ کو پھیرنے اور اسلامی اخلاق و اعمال کو غالب کرنے کے لیے ایک مصلح و مجدد کی شدید ضرورت تھی۔ جسے قدرت نے حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی صورت میں پورا کیا۔

انھوں نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی تجدید و اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے دار الامارت کو جس نے قیصر و کسریٰ کے دربار کی حیثیت اختیار کر لی تھی، خلافت راشدہ کے نمونہ پر سادہ بنایا، بیوی کے زیورات کو بیت المال میں داخل کیا اور گھر کے پورے ماحول کو سنت کے مطابق کر دیا اور شاہی میں درویشی کی وہ نظیر پیش کی جس کی مثال امراء میں تو کیا فقراء میں بھی بڑی مشکل سے ملے گی۔ اس زاہدانہ زندگی کے علاوہ انھوں نے اپنے مشہور تاریخی فقرے کہ "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے تحصیلدار بنا کر نہیں" حکومت کا رخ ہی بدل دیا۔ اس کو دنیاوی حکومت کی بجائے خلافت و نبوت بنا دیا۔ درحقیقت ان کی ساری مدت خلافت اسی ایک جملہ کی عملی تفسیر تھی۔ اس وقت خلفاء عام طور سے لوگوں کے اعمال و اخلاق کی جانب توجہ نہ کرتے تھے بلکہ یہ کام علماء و صلحاء کا سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس فرق کو ختم کیا اور تخت خلافت پر بیٹھتے ہی شاہی گورنروں اور فوجی افسروں کو طویل طویل فرامین لکھے جو ملکی اور فوجی انتظام سے زیادہ دینی و اخلاقی امور پر مشتمل ہوتے۔

عام مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ انھوں نے غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کی جانب بھی بطور خاص توجہ کی اور اس میں انھیں اپنے صدق و اخلاص کی برکت سے نمایاں کامیابی ہوئی۔

ان اہم اصلاحی کاموں کے ساتھ انھوں نے حدیث و سیر کی تدوین اور سنت کے احیاء کی بھی کوشش کی، علماء کو اس کام کی جانب متوجہ کیا۔ ان کے ماخذ و مصادر کی نشاندہی کی اور علماء کے وظیفے مقرر کیے تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ علم دین کی تعلیم و ترویج کی خدمت انجام دے سکیں۔

دو سال پانچ ماہ کی قلیل مدت میں حکومت اور معاشرہ دونوں میں دینی انقلاب برپا کر کے ۱۰۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

دوسری صدی اور حضرات تابعین کی خدمات

حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے بعد حکومت کا دھارا پھر اسی طرح بہنے لگا اور موروثی حکومت کے تسلسل اور دولت و ثروت کی فراوانی کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں تعیش کا عمومی رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آخری ایام میں سب سے زیادہ فکر اسی بات کی تھی کہ دنیا مسلمانوں کو اپنے دھارے میں بہا لے جائے، آپ نے وفات سے چند دن پہلے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا ما الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط الدنیا علیکم الخ یہ خطرہ پورے طور پر پیش آچکا تھا اور اندیشہ ہو چلا تھا کہ یہ امت اگلی امتوں کی طرح تعیش کے اس مہیب طوفان کی نذر نہ ہو جائے بالآخر اس ہمہ گیر فتنہ کے مقابلہ کے لیے تابعین کرام کی ایک سرفروش جماعت آگے بڑھی اور اپنے قوت ایمانی سوز دروں وعظ و نصیحت اور دعوت و تلقین کے ذریعہ اس سیلاب کی رفتار کو شکست کر دیا اور لاکھوں افراد کو مادیت کے اس طوفان سے بچا لیا۔ اس مقدس گروہ میں حسن بصری، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، امام شعبی اپنی دور رس اصلاحی و انقلابی خدمات کے لحاظ سے ممتاز مقام و مرتبہ کے مالک ہیں بالخصوص حضرت امام حسن بصریؒ جنھوں نے مسلسل ساٹھ برس تک اپنی قوم میں وہ کام کیا جو انبیاء کرام ختم نبوت سے پہلے اپنی امتوں میں کرتے تھے۔

خلافت عباسیہ اور اس عہد کے علماء کے کارنامے

۱۳۲ھ میں بنو امیہ نے اپنے جانشین بنو عباس کو خلافت حوالہ کر دی۔ خلافت عباسیہ صحیح طور سے خلافت امیہ کی جانشین تھی۔ وہی موروثی نظام سلطنت، وہی بیت المال میں آزادانہ تصرف وہی عیش و نشاط کی بے اعتدالیاں مزید برآں عجمی اثرات اور رسومات کی گرمیاں لیکن اس عیش و نشاط اور عجمی اثرات کے ماحول میں کچھ نفوس قدسیہ ایسے بھی تھے جو ماحول و معاشرہ کی رنگ رلیوں اور دلفریبیوں سے دامن بچائے ہوئے دعوت الی اللہ، تزکیہ نفس اور تعلیم و تعلم میں ہمہ تن مصروف تھے اور امت کی روح اور اسلامی سرچشمے قرآن و حدیث کی حفاظت میں منہمک، مادیت کے اس بحر ناپیدا کنار میں وہ دراصل انسانی جزیرے تھے جہاں ڈوبنے والے پناہ لیتے تھے۔

انھوں نے بغداد میں مادی طاقت کے بالمقابل ایک ایسا محاذ کھول رکھا تھا جو اپنی قوت و وسعت میں مادی و سیاسی طاقت سے کسی طرح کم نہیں ہوا۔ امراء و وزراء کا قبضہ ہوں

پر تھا تو ان کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی اور بغداد اگر ایک طرف عیش و عشرت اور مال و دولت کا گہوارہ تھا تو دوسری طرف علم و عمل اصلاح و تقویٰ اور دعوت و اصلاح کا سب سے بڑا مرکز بھی تھا۔ اس کے گلی کوچے قال اللہ و قال الرسول کی ایمان افروز صداؤں سے گونج رہے تھے۔ اس دینی بیداری اور عین مرکز خلافت میں اصلاح و دعوت کے منظم طاقت کے برپا کرنے میں امام سفیان ثوریؒ، فضیل بن عیاضؒ جنید بغدادیؒ معروف کرخی اور بشر حافی کا نام اور کام سب سے نمایاں اور روشن ہے۔

تدوین حدیث وفقہ کے ساتھ ملت کی امت کے اعمال و اخلاق

اجتماعی زندگی کی حفاظت کی بھی ضرورت تھی۔ اس وقت اسلام کی سلطنت روئے زمین کی سب سے بڑی اور وسیع سلطنت تھی نئے نئے حالات و مسائل ابھر ابھر کر سامنے آ رہے تھے۔ تجارت، زراعت، جزیہ، خراج اور دیگر اسی طرح کے بہت سے مسائل تھے جو اسلامی احکام کے منتظر تھے جن کی جانب سے ذرا سی غفلت اور دفاعی راحت پسندی امت کو ہزاروں برس کے لئے اسلامی معاشرت اور اس کے اجتماعی قوانین کی برکت سے محروم کر دیتی اس لیے اس وقت دو باتوں کی ضرورت تھی۔ ایک یہ کہ حدیث کے منتشر سرمایہ کو محفوظ و مدون کر لیا جائے جو فقہ اسلامی کا وسیع ترین ماخذ ہے۔ دوسرے فقہ کی تدوین اور استنباط اور اجتہاد کی تاکہ پیش آمدہ جدید مسائل کے اسلامی نقطہ نظر سے جواب فراہم کئے جا سکیں۔ وقت کے اس عظیم اور نہایت اہم تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے جن صلحائے امت میدان عمل میں نکلے ان میں سے ایک جماعت نے جنہیں محدثین کے با وقعت لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حدیث کی تدوین و ترتیب ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ اس ذوق و انہماک کا اثر یہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے حدیث و سنت کا ایک ایسا محفوظ و مستند ذخیرہ منظر عام پر آ گیا جو اس امت کے اصلاح و تجدید کا اہم ذریعہ ہے۔

اس ذخیرہ حدیث میں امام بخاری کی صحیح بخاری امام مسلم کی صحیح مسلم نہایت بلند پایہ اور ممتاز حیثیت کی

باقی صفحہ ۲۳ پر

بچوں کا کالم

تعارف

واہ رے بانکی چال تیرے کیا کہنے

تحریر: اشتیاق احمد

قسط نمبر: ۷

مرزا اپنے ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"میں نے دیکھا، زار روس کا ڈنڈا میرے ہاتھ میں آ گیا وہ بہت لمبا اور خوبصورت ہے، پھر میں نے غور سے دیکھا وہ بندوق نظر آیا..... اور معلوم یہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ بندوق ہے بلکہ اس میں پوشیدہ نالیاں بھی ہیں گویا ظاہر میں ڈنڈا اور وہ بندوق بھی ہے اور پھر ایک یہ کہ خوارزم شاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا اس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا بھی میرے پاس ہی کھڑا ہے اور اس تیر کمان سے ایک شیر بھی شکار کیا گیا۔"

خواب آپ نے پڑھا، اب ذرا کام کی بات بھی سن لیں، اور وہ یہ کہ بوعلی سینا خوارزم شاہ کے زمانے میں نہیں اس سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے خوارزم حکومت بعد میں ہوئی۔ مطلب یہ کہ مرزا کو جھوٹ بولنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا۔

مرزا کی طبیعت خراب تھی لکھتا ہے کہ اس سلسلہ میں مجھے خواب میں ایک شیشی اٹھائی گئی اس شیشی پر لکھا تھا۔

"خاکسار پیپرمنٹ"

نوٹ: گویا اللہ تعالیٰ نے مرزا کو بیمار کر کے یہ خاکسار پیپرمنٹ تجویز کی تھی۔

(استغفر اللہ)

مرزا نے اپنا ایک خواب لکھا ہے..... ملاحظہ فرمائیے

"میں ایک مرتبہ کچہری میں گیا تو میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ایک حاکم کی صورت میں بیٹھا ہے، ایک طرف ایک کارندہ ایک مثل اٹھائے کھڑا ہے، جسے وہ حاکم (اللہ تعالیٰ) کے سامنے پیش کر رہا ہے، حاکم نے مثل لیا کر کہا:

"مرزا حاضر ہے"

تو میں نے باریک نظر سے دیکھا کہ ایک کرسی اس کے ایک طرف خالی پڑی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا:

"اس پر بیٹھو"

خواب آپ نے پڑھ لیا، صاف ظاہر ہے قیامت کے دن مرزا کو اسی طرح حاضر ہونا پڑے گا۔ آخر جھوٹی نبوت کا مزہ تو چکھنا ہو گا۔

مرزا لکھتا ہے:

"ایک روز کشف کی حالت میں ایک بزرگ کی قبر پر خود کو دعا مانگتے دیکھا، وہ بزرگ میری اس دعا پر آمین کہتے جاتے تھے۔ اس وقت میں نے سوچا کہ اپنی عمر پندرہ سال بڑھوا لوں۔ تب میں نے دعا کی کہ میری عمر پندرہ سال بڑھ جائے۔ اس پر بزرگ نے آمین نہ کہی۔ تب میں اس بزرگ سے خوب لڑا جھگڑا آخر اس نے کہا کہ بہت زور! میں آمین کہتا ہوں اس پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اور دعا مانگی کہ میری عمر پندرہ سال کی بڑھ جائے۔ اس بزرگ نے آمین کہی۔"

آپ نے مرزا کا کشف سنا۔ اب یہ مزے دار بات بھی سن لیں، اور مرزائی حضرات سے بھی درخواست ہے کہ غور سے پڑھ لیں اور وہ تائب ہو جائیں۔

مرزا نے یہ خواب ۱۹۰۳ء میں لکھا ۱۹۰۸ء میں وہ مر گیا۔ گویا اس خواب کے صرف پانچ سال بعد اور خواب میں ذکر ہے کہ پندرہ سال عمر بڑھوانے کا.....

اس سے بڑا جھوٹے ہونے کا ثبوت اور کیا ہو گا

(تعارف جاری ہے)

مرزا گاما قادیانی
واہ بھئی واہ گامے

سید سلمان گیلانی: لاہور

تو انگریز کا بیلی واہ بھئی واہ گامے
ملکہ تری سہیلی، واہ بھئی واہ گامے

آدھی رات کے وقت دباتی تھی ٹانگیں
بھانو جان اکیلی واہ بھئی واہ گامے

پڑھ کر تیری گند بھری تحریروں کو
ہمیں تو آئے تریلی واہ بھئی واہ گامے

تو نے پھیلائی وکٹوریہ کے آگے
پیٹ کیلئے ہتھیلی واہ بھئی واہ گامے

کتنے سربستہ رازوں کی حامل ہے
ظالم تیری حویلی واہ بھئی واہ گامے

خود ہی مریم بی بی خود ہی عیسیٰ بھی
آدمی تھا کہ پہیلی، واہ بھئی واہ گامے

سچی بات ہے ملکہ کی بی بی سی کا
تو تھا مارک ٹیلی واہ بھئی واہ گامے

تینوں ایک ہیں ختم نبوت کی خاطر
ندوہ، دیوبند، بریلی واہ بھئی واہ گامے

بھاگ گیا ہے لندن تیرا پوتا بھی
سونی کر کے حویلی واہ بھئی واہ گامے

الٹی کر دی گیلانی کے اکابر نے
تو نے چال جو کھیلی واہ بھئی واہ گامے

میرے چھوٹے بھائی

مفتی احمد الرحمٰن صاحب

جو عمر کے علاوہ ہر چیز میں مجھ سے بڑے تھے

قاری سعید الرحمٰن، راولپنڈی

اپنے معمول کے پروگرام کے مطابق ۳۰ جنوری ۱۹۹۱ء کو بعد عشاء علاقہ چھچھ ضلع اٹک کے گاؤں عادل نسی میں ایک دینی تقریب میں مولانا محمد صابر صاحب مولانا عبدالسلام اور حافظ زمرد خان کے ساتھ شرکت کی وجہ سے رات دیر سے اپنے آبائی گاؤں بہبودی پہنچا۔ ۳۱ جنوری ۱۹۹۱ء یعنی ۱۴ رجب ۱۴۱۱ھ صبح نماز فجر سے قبل پانچ بجے بہبودی ایک دردناک خبر ٹیلیفون کے ذریعے موصول ہوئی کہ بھائی مفتی احمد الرحمٰن انتقال فرما گئے۔ خبر دینے والے پریشان تھے کہ مجھے کس طرح اس خبر کا اظہار کریں۔ چنانچہ بتلایا گیا کہ مفتی صاحب سخت بیمار ہیں۔ لیکن دوسری خاتون کے زبان سے اصل حقیقت نکل گئی کہ مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ یہ خبر ایسی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ جس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ نہ کسی بیماری کا حال معلوم ہو سکا نہ کسی حادثہ کا۔

مصائب شتی جمعت فی مصیبۃ
ولم یکفھا حتی قفتھا مصائب

اس غم کی شدت کا اندازہ کوئی اور کیسے لگا سکتا ہے۔ ایسا بھائی جس کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ جس کی ہر ادا پیاری اور محبوب تھی جس سے کبھی کسی کو دکھ نہیں پہنچا تھا جو بحیثیت بھائی کے بھی عظیم المرتبت انسان تھے جس نے ہمیشہ پورے خاندان کے ساتھ عزت و ہمدردی کا سلوک کیا۔ ایسے بھائی کی اچانک وفات سے جو کیفیت کسی دوسرے بھائی کی ہو سکتی ہے۔ اس کا ذکر کن الفاظ میں کیا جائے۔

مفتی احمد الرحمٰن صاحب ہم سب بھائیوں میں چھوٹے تھے لیکن وہ عمر کے علاوہ ہر چیز میں فائق و بلند تھے۔ اس تھوڑی عمر میں جن مراتب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا اس میں جہاں دیگر عوامل کارفرما تھے۔ وہاں ان کی فطرت سلیمہ بھی اس کی مستحق تھی۔ بچپن سے صلاح و فلاح، متانت، للّٰہیت، خشوع، انابت الی اللہ، فرائض و نوافل کی پابندی اور تصلب فی الدین ان کی صفت ثانیہ بن گئی تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں حضرت والد صاحب شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری کی بابرکت دعا کا بھی اثر ہو گا جو آپ نے ذاتی ڈائری میں مفتی صاحب کی تاریخ ولادت رقم کرنے کے ساتھ تحریر فرمائی ہے۔ ڈائری میں یہ الفاظ درج ہیں: "۶ رجب ۱۳۵۸ھ ۲۲ اگست ۱۹۳۹ء ۶ بھادوں ۱۹۹۶ء کو شب منگل ساڑھے تین بجے رات کے برخوردار احمد الرحمٰن کا تولد ہوا۔

اللھم ارزقہ صلاحًا وفلاحًا
وعلمًا نافعًا وعملًا صالحًا
وبارک لنا فیہ"

حضرت والد صاحبؒ ولی کامل تھے۔ ان کی دعا حرف بحرف قبول ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شخصیت کی تشکیل میں جو عناصر کارفرما ہوتے ہیں ان میں ماحول اور تعلیمی اکتسابات کے علاوہ اس وراثت کا بھی بڑا حصہ ہوتا ہے جو خاندانی طور پر منتقل ہوتا رہتا ہے۔ فکر کی بلندی، جودت طبع، بالغ نظری، اور ذوق کی پختگی میں بھی اس کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ ایک عظیم علمی خانوادہ جو دعوت و ارشاد، علم و فضل، سلوک و عرفان، تعلیم و للّٰہیت کا مرکز رہا ہو۔ جہاں علم و تحقیق اور درس و تدریس میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے گئے جس کی توصیف سے قلم قاصر ہے (جس کی کچھ تفصیل راقم کی تالیف "تجلیات رحمانی" جو حضرت والد صاحبؒ کی سوانح ہے، میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے)

رحمانی خاندان کے اس خانوادہ میں مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ نے آنکھیں کھولیں۔ علمی خاندان کی وجہ سے تعلیم و تربیت میں کوئی مشکلات پیش نہیں آئی۔ حضرت والد صاحبؒ تقسیم ہند تک تقریباً ۲۰ سال مظاہر علوم سہارنپور میں بطور صدر المدرسین قیام پذیر رہے۔ پاکستان بن جانے کے بعد خیر المدارس ملتان دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار حیدرآباد سندھ اور اکوڑہ خٹک میں درس حدیث سلسلہ میں مقیم رہے۔ مفتی صاحبؒ کچھ عرصہ ان مدارس میں والد صاحب کے ساتھ مقیم رہے۔ بعد میں دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن جو اس دور میں المدرسۃ الاسلامیہ کے نام سے متعارف تھا زیر تعلیم رہے۔ آپ نے فن تجوید و قرأت کی تکمیل دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں مرحوم قاری محمد افضل صاحب سے کی۔ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ سے دورہ تفسیر بھی پڑھا۔

مدرسہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں فراغت کے بعد مفتی اور مدرس مقرر ہوئے۔ اور بڑی محنت سے افتاء میں کمال حاصل کیا جس کی بنا پر نام کے ساتھ

لفظ "مفتی" جزو بن گیا۔ مفتی صاحب کی خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے حدیث کی تعلیم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ سے حاصل کی اور یہ دور حضرت بنوریؒ کے فیض علمی کے عروج کا دور تھا۔

[illegible] راقم حج پر تھا مفتی صاحب کا میرے نام ایک خط آیا جس میں یہ الفاظ تھے "الحمد للہ علمی مشاغل میں مصروف ہوں۔ افتاء کی اکثر ذمہ داری بندہ کے سپرد ہو چکی ہے بلکہ یوں سمجھیے کہ پوری ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے اس کے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے علم و عمل میں برکت عطا فرمائیں اور روز دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں، افتاء وغیرہ کے کاموں کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کو باحسن طریق انجام دینے کی توفیق دے۔"

بچپن ہی میں آپ کی سلامت فکری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا تعلق ان نیک فطرت ساتھیوں سے رہا جو ورع و تقویٰ میں اپنی ابتدائی عمر میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے۔ ان میں حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی کے خادم خاص حافظ گوہر رحمٰن تھے۔ جو حافظ غلام سرور غشتوی کے بھائی تھے۔ اور تھوڑی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

دوران تعلیم بھی زیادہ توجہ مطالعہ و تکرار کی طرف رہتی۔ اور اپنا وقت کسی اور مشغلہ میں صرف نہ کرتے۔ حضرت والد صاحبؒ کے جو خطوط اس دور کے محفوظ ہیں ان میں مفتی صاحبؒ کے لیے دعائیہ الفاظ تحریر ہیں ان ہی دعاؤں کا اثر بعد میں مقبولیت عامہ اور دینی خدمات کی شکل میں ظاہر ہوا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ دامادی سلسلہ کی وجہ سے خاندانی قربت حاصل ہوئی۔ اور حضرت بنوریؒ نے تربیت پر خاص توجہ دی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے الفاظ میں اپنی جانشینی کے فرائض ان کے سپرد کیے۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ مختلف بحرانوں میں مبتلا رہا لیکن حضرت مفتی صاحب کے اخلاص اور عزم و استقامت کی وجہ سے سب مشکلات پر قابو پا لیا گیا اور اس کے نشاۃ ثانیہ اور ترقی کی نئی راہیں کھلیں۔ مختلف شاخوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جن میں ہزارہا طلبہ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور جو مرحوم کے لیے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں گی۔

مرحوم تصلب فی الدین کا خاص مظہر تھے۔

حضرت مفتی صاحب کسی مجلس میں فوٹو کھنچوانا دینی حمیت کے خلاف سمجھتے۔ شریعت بل، عورت کی حکمرانی جیسے مسائل پر غور کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ راولپنڈی میں ملک بھر کے علماء کا جب اجتماع ہوا۔ اور ہر طبقہ و مکتب فکر کے علماء شریک ہوئے تو آپ نے فوٹو لینے سے سختی سے منع کیا اور علماء کرام کو توجہ دلائی کہ جس مقصد کا آغاز ہی خلاف شریعت کام ہو تو اس میں کیا برکت ہوگی۔ ایسے موقع پر آپ کیمرہ کی زد میں آنے سے اپنے آپ کو بچاتے۔ کراچی میں روافض کی تحریک اور اہل السنۃ کے خلاف روافض کے کردار کے بارے میں آپ کا طرز عمل قائدانہ اور مدبرانہ تھا۔ اور سواد اعظم کی تحریک میں جان آپ ہی کی وجہ سے تھی۔ جامعہ علوم اسلامیہ کے سامنے نکلنے والے ماتمی جلوس کی وجہ سے کراچی پر روافض کے خلاف جو تحریک اٹھی اور جس میں مفتی صاحب کے ساتھ کراچی کے جلیل القدر علماء کو کئی ماہ جیل گزارنے پڑے۔ یہ پوری تحریک حضرت مفتی صاحب کے عزم و استقامت کی تابناک مثال ہے۔ اور ان قربانیوں سے یہ تحریک پورے ملک میں متعارف ہوئی اور روافض کے عزائم قوم کے سامنے آشکارا ہوئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی اس قربانی و استقامت کا ملک بھر میں خیر مقدم کیا گیا۔ اور آپ کی شخصیت ایک قائد کی حیثیت سے ابھری۔

جس وقت ملک میں روافض سنی معاملات کی وجہ سے فضا سخت کشیدہ تھی اور شیرانوالہ لاہور میں مختلف تنظیموں کے سربراہ اور سرکردہ علماء اکٹھے لائحہ عمل طے کرنے کے لیے جمع تھے حضرت نے جذباتی انداز میں مسئلہ کی سنگینی کا ذکر کیا اور رائے دی کہ ہم سب کو کسی ایک شخصیت [illegible] چاہیے۔ ابھی آپ نے اپنی بات پوری بھی نہیں کی کہ مولانا ضیاء القاسمی صاحب نے دل کی گہرائی سے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ ہم آپ پر متفق ہوئے ہیں اور ان کا کہنا تھا کہ پورا ہاؤس حضرت مفتی صاحب کی قیادت پر یک زبان ہو گیا۔ مفتی صاحبؒ انکار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ تجویز میں نے اس لیے نہیں دی تھی کہ آپ مجھے اس منصب کی ذمہ داری سپرد کریں۔ مگر سب علماء کے اصرار اور اجتماعی رائے پر آپ کو صدر منتخب کیا گیا۔ آپ اگرچہ عملی سیاست سے الگ تھے۔ لیکن علماء کے اتحاد کے علمبردار تھے۔ اور سیاسی طور پر علماء کے وقار بلند کرنے کی ہر وقت فکر لگی رہتی تھی۔ جمعیۃ علماء اسلام جب دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ تو آپ نے دونوں سے روابط برقرار رکھے۔ اور ہر ایک کو حق بات کہنے اور ملکی اور غیر ملکی پالیسی میں دین کو مقدم رکھنے کا مشورہ دیتے اور جس چیز کو خلاف حق سمجھتے اس کے اظہار کرنے میں وہ ذرہ برابر نہ جھجکتے۔ یہی ناصحانہ اور مشفقانہ طرز عمل تھا کہ دونوں گروہ آپ پر اعتماد کرتے اور آپ کی رائے کو وقعت دیتے۔ الیکشن میں جہاں جہاں علماء سیاسی طور پر حصہ لیتے۔ آپ ان کی پوری مدد کرتے، اس میں کسی گروہ کی تخصیص نہ ہوتی اور خود ہر حلقہ میں جا کر علماء کے ساتھ مالی تعاون کرتے شاید اس گروہ کے قائدین ان علماء کے ساتھ اس قدر تعاون نہ کرتے، جتنا مفتی صاحب کرتے۔

۱۹۸۸ء کے الیکشن میں اللہ تعالیٰ نے راقم کو کامیابی عطا کی تو حضرت مفتی صاحبؒ انتخابی مہم کے سلسلہ میں میرے حلقہ میں تھے۔ کامیابی کے بعد لوگوں نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔ آپ خود مدرسہ اشاعت القرآن میں مقیم تھے کہ اظہار مسرت کے لیے ایک جلوس مدرسہ کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے مدرسہ سے باہر نکل کر جلوس والوں سے کہا کہ یہ وقت اللہ کے شکر کا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ نہ کہ اظہار مسرت میں غیر شرعی افعال کریں۔

[illegible] لوں کے اجتماعی مسائل میں بڑھ چڑھ کر [illegible] اور ان مسائل کو اپنے مسائل سمجھتے۔ آپ کی [illegible] بھلائی کی زندگی تھی۔ لوگ عجیب عجیب

مطالبات لے کر حاضر ہوتے اور مفتی صاحب بمصداق حدیث "خیر الناس من ینفع الناس" اس کے پورا کرنے میں پوری جدو جہد کرتے۔

وفات کے بعد آپ کے نام آنے والے خطوط میں ایک خط کسی اہل علم حاجت مند کا آیا ہوا نظر سے گزرا۔ جس میں اس نے لکھا کہ شادی تیار ہے مگر رہائش کیلئے مکان نہیں ہے۔ مکان خریدنے کے لیے ایک خطیر رقم کی ضرورت ہے۔

اس قسم کی انفرادی و اجتماعی امداد آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شان سخاوفیاضی سے نوازا تھا۔ غریب پروری، حسن خلق، اکرام مسلم ضیافت، دین کی محبت، مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کی فکر وسعت قلبی اور بلند نظری جیسی صفات اللہ تعالیٰ نے آپ میں رکھی تھیں۔

دینی مدارس سے آپ کو والہانہ تعلق تھا۔ آپ وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے۔ چھوٹے بڑے مدارس کے دورے کرتے۔ دور دراز علاقوں میں مدارس کے معائنہ اور ان کی خدمت کیلئے ناسازگار موسموں اور اپنی بیماری تک کا لحاظ نہ کرتے۔ مدارس کے معاونین آپ کو مہربان سرپرست سمجھتے اور ان مدارس کے تعاون کے لیے جو کچھ بھی آپ کے بس میں ہوتا دریغ نہ کرتے۔ رمضان میں پورے ملک سے مدارس دینیہ کے سفراء وصول چندہ کے لیے کراچی پہنچتے حضرت مفتی صاحب ؒ وسعت قلبی کے ساتھ تصدیق فرماتے۔

کراچی کے دیندار اصحاب ثروت مفتی صاحب کی تصدیق کو اہمیت دیتے۔ اور ان کی تصدیق سے سینکڑوں مدارس کے تعاون کی راہیں کھلتیں۔

وفاق کی سرپرستی کے دوران سینکڑوں مدارس نے اپنے آپ کو "وفاق المدارس" سے وابستہ کیا۔ سالانہ امتحان کے دوران مدارس کی نگرانی کے لیے آپ دور دراز کے سفر کرتے۔ حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد چھوٹے چھوٹے مدارس کے مہتمین حضرات نے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مفتی صاحب ہمارے سرپرست تھے۔ اور ہمارے مدارس سے تعاون فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مدارس کے انتظام اہتمام والعرام کے ساتھ درس وتدریس کا خاص ملکہ عنایت فرمایا تھا۔ اپنے جامعات کے سب اساتذہ کے ساتھ انتہائی عزت واحترام کا سلوک فرماتے۔ کسی کو آپ کی ذات سے شکایت کی نوبت نہیں آئی۔ باہمی ربط و محبت آپ کے اصول اہتمام میں نمایاں شئے تھی۔

حضرت بنوری ؒ کی وفات کے بعد جامعۃ العلوم الاسلامیہ" کے اہتمام کا جو بوجھ آپ پر ڈالا گیا تھا۔ آپ نے نہ صرف باحسن وجوہ اس کو نبھایا بلکہ اس ادارہ کی ترقی میں اپنی جان کھپا ڈالی۔ اور دن رات مسلسل محنت میں لگے رہے۔ جس منصوبہ کو شروع کرنے کا ارادہ کرلیتے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے۔ دور دراز اسفار اختیار فرماتے۔ اساتذہ کے قیام گاہوں کا مسئلہ درپیش ہوا تو جنوبی افریقہ کا دورہ کیا۔ اور جامعہ کے فضلاء کو اس کی طرف متوجہ کرکے اس کی تکمیل کروائی۔

آپ کے عزم کی نشانی تھی کہ جامعہ علوم اسلامیہ کی ملیر والی شاخ سے متصل زمین کی خریداری کا مسئلہ پیش ہوا۔ زمین کی قیمت کا اندازہ ایک کروڑ دس لاکھ روپے لگایا گیا۔ مرحوم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس زمین کو خریدنے کا ارادہ کرلیا۔ اور مالک سے بیعانہ مرتب کردیا۔ جس دن آپ کا انتقال ہوا اس دن جانبین کے دستخط ہونے تھے۔ مگر مفتی صاحب کے دستخط ہونے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلالیا۔ (دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس منصوبہ کو مکمل فرمائے)

مرحوم کا تعلق اپنے رب سے ایسا مضبوط تھا اور ایسا یقین تھا کہ جو مانگتے اللہ تعالیٰ عطا فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی دعا کا انداز نرالا تھا۔ طویل دعا فرماتے اور اس دوران انابت الی اللہ کی ایک خاص کیفیت ہوتی دوران دعا اپنی انگلیوں کو خاص انداز سے حرکت دیتے سفر وحضر میں یہ کیفیت برقرار رہتی۔ نماز پر خشوع وخضوع باجماعت نماز کی ادائیگی میں کوئی تھکاوٹ حائل نہ ہوتی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ اپنے گاؤں بہبودی یا راولپنڈی کا طویل سفر کرکے رات دیر سے پہنچتے مگر کیا مجال کہ مسجد میں تکبیر اولیٰ فوت ہوجائے۔ ۱۹۸۸ء میں بنگلہ دیش کا سفر ہوا جس میں پاکستان کے دیگر علماء بھی ساتھ تھے۔ بنگلہ دیش سے واپسی پر بمبئی سورت اور ڈابھیل کے سفر کا ہمارا پروگرام تھا اور اس علاقہ کے دینی مدارس خصوصاً لڑکیوں کے مدارس کا نظام دیکھنا تھا۔ ڈھاکہ سے میں اور حضرت مفتی صاحب اور مفتی صاحب کے معتمد رفیق مولانا حسن الرحمان صاحب ہمراہ تھے۔ ڈھاکہ سے کلکتہ پہنچ کر دوسرے جہاز کے ذریعے بمبئی روانہ ہونا تھا۔ کلکتہ ایئرپورٹ پر ہندوستانی حکومت کا پاکستانیوں کے ساتھ نامناسب اور غلط رویہ دیکھنا نصیب ہوا۔ ایئرپورٹ کے حکام نے کہا کہ آپ بمبئی نہیں جاسکتے آپ کو واپس جانا پڑے گا۔ حالانکہ انڈین ایئرلائن کے ڈھاکہ آفس نے ہمارے ٹکٹ بنائے تھے۔ ہم نے بین الاقوامی قوانین کا حوالہ دیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کا عقدہ دیدنی تھا۔ میں نے کہا کہ یہ ہندو قوم ہے۔ اس سے الجھنا بیکار ہے مگر کیا مجال کہ ذرہ برابر بھی کسی قسم کا اظہار ہو مجبوراً ہمیں کلکتہ ایئرپورٹ پر رکنا پڑا۔ خوش قسمتی سے یہ رات شب برات کی تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا چلو غنیمت ہے۔ تسلی سے رب کی عبادت کرنے کا موقع ملے گا۔ ٹرانزٹ ہال میں ہمارا قیام رہا۔ اور تقریباً زیادہ وقت مفتی صاحب کا عبادت اور انابت الی اللہ میں گزرا۔

ہندوستان کے اس چند روزہ سفر میں مدرسہ اصلاح البنات سملک جس کے بانی حضرت والد صاحب مرحوم کے تلمیذ خاص حضرت مولانا عبدالحق ہیں جو جنوبی افریقہ کے مولانا محمد ابراہیم میاں صاحب کے ماموں ہیں۔ یہ لڑکیوں کا ادارہ میرے خیال میں برصغیر میں اس نوعیت کا واحد ادارہ ہے۔ اس کا نظم ونسق، سلیقہ شعار، عمارت، مطبخ، تربیت، نصاب ہر اعتبار سے منفرد ہے۔ یہ مولانا عبدالحق صاحب کے بقول میری ساری زندگی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل برصغیر کے ان مثالی دینی اداروں میں ہے جس سے ہمارے اکابر وابستہ رہے۔ محدث العصر مولانا انور شاہ صاحب ؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ دارالعلوم دیوبند سے کچھ

کچھ عرصہ کے لیے ڈابھیل تشریف لا ئے۔ اور اس پورے علاقہ کو اپنی برکات علمی و روحانی سے منور کیا اور آج تک اس علاقہ گجرات میں ان بزرگوں کی روحانی برکات کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ تھے جو بڑے اللہ والے اور صالح اور اسم بامسمیٰ تھے۔ اس سفر میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی معیت نے مزید لطف دوبالا کر دیا۔ اور حضرت مفتی صاحب مرحوم اپنی طبعی لطافت کی وجہ سے مولانا سے مزاح فرماتے۔ اس سفر میں بہت لوگوں کو حضرت مفتی صاحب سے روحانی فیض حاصل ہوا۔

حضرت مفتی صاحب کا اللہ تعالیٰ سے ایسا مضبوط تعلق تھا جس کی وجہ سے لا یخافون لومۃ لائم کے مصداق تھے۔ کراچی میں شیعہ سنی مسائل کے ابھرنے پر ارباب حکومت پریشان تھے۔ ایک بار رات ایک بجے جنرل محمد ضیاء الحق صاحب شہید نے مجھے ٹیلیفون کیا۔ اور کراچی کی صورت حال کی سنگینی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں کراچی جاؤں اور علماء سے رابطہ کرکے مسائل کو حل کرنے کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ جب ان مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے صدر محمد ضیاء الحق صاحب سے راولپنڈی میں علماء کراچی کے لیے وقت مقرر ہوا۔ اس میں حضرت مفتی صاحب مرحوم نے انتہائی جرات کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار فرمایا۔ اور علامہ عزالدین بن عبدالسلام کے اس مقولہ ایسے مواقع پر العظمۃ للہ کا تصور کرتے ہوئے ربوبی حاکمیت ہیچ نظر آنے لگی۔

سواد اعظم کی تحریک کے دوران کراچی میں جس طرح آپ نے قیادت کی۔ اور اس تحریک کو ملکی سطح پر متعارف کرایا یہ حضرت مفتی صاحب کے خلوص کی دلیل ہے۔ عام طور پر لوگ اس قسم کی تحریکات میں مختلف چہرے رکھتے ہیں۔ عوام سے الگ، حکومت سے الگ رویہ۔ اور اس سے پھر دنیوی مفادات کے حصول کا راستہ کھلتا ہے۔ مگر حضرت مفتی صاحب نے اس تحریک کو صرف ناموس صحابہؓ کی عظمت کے لیے برقرار رکھا۔ اور اسی کی برکت تھی کہ مختلف اوقات میں طویل قید و بند کی صعوبتوں میں سب حضرات کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور سرخرو ہو کر ان مراحل سے گزرے۔

آپ نے جیل میں رہ کر بھی اپنے ساتھیوں کو بلکہ جیل میں مقیم بڑے سیاسی لیڈروں کو اپنے اخلاق اور روحانیت سے متاثر کیا۔ اور بہتوں کو صحیح عقیدہ پر لگایا۔ جیل میں رہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کا پورا پورا خیال رکھا اور ان کی ذمہ داریاں اپنی ذمہ داری محسوس کی۔ حضرت مفتی صاحب کے مشفقانہ مربیانہ رویہ نے جیل کی سختیوں کو بھلا کر اصلاح، انابت اللہ، حقوق اللہ حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت، باہمی محبت و ایثار ایک دوسرے کی عزت و عظمت کا ماحول مہیا کیا۔

ناموس صحابہ کی عظمت اور روافض کی ملک میں دہشت گردی، اور آئے دن فتنہ و فساد پر ہمیشہ پریشان رہے۔ ملک میں اہل سنت کے ساتھ زیادتی ہوتی جو ان کے استحصال کے لیے جبر تن کوشاں ہوتے۔ اس بارے میں مولانا حق نواز شہید کے ساتھ آپ کا خاص تعلق تھا۔ مولانا مرحوم جب لیہ کے حادثہ کے بعد میانوالی جیل میں تھے تو آپ از خود ان کے بچوں کی

خبر گیری کے لیے مولانا مرحوم کے گاؤں پہنچے۔ مفتی صاحب مرحوم نے مولانا مرحوم کے بچوں کو مٹی میں کھیلتے ہوئے دیکھا۔ حضرت مفتی صاحب نے خطیر رقم ان کی خدمت کے لیے پیش کی اور چلتے وقت مولانا مرحوم کے بھائیوں سے کہا کہ آئندہ جب ہم آئیں تو بچوں کو ہم مٹی میں کھیلتا ہوا نہ دیکھیں۔ سپاہ صحابہؓ کی سرپرستی آپ کرتے وفات کے بعد کاغذات میں ایک رقعہ ملا جس میں ایک خطیر رقم کے بارے میں تحریر تھا کہ انجمن سپاہ کے لیے۔ انجمن کے ایک متعارف رہنما کو دیتے گئے۔

رشین باغ ضلع اٹک میں شیعہ سنی فساد کے موقع پر دو سنی شہید ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب کراچی سے مستقل طور پر تعزیت کے لیے آئے۔ اور متاثرہ خاندان کی مقدور بھر خدمت کی۔

مولانا عبدالستار تونسوی کا مفتی صاحب سے خاص تعلق تھا۔ کئی بار مجھے فرمایا کہ میں پاکستان میں سب سے زیادہ حضرت مفتی صاحب کی قدر کرتا ہوں۔ یہی حال مولانا عبدالمجید ندیم صاحب اور دیگر خطیب علماء کا تھا۔

تبلیغی جماعت سے ہمیشہ تعلق رہا۔ رائے ونڈ کے مدرسہ کے امتحان کے لیے تبلیغی جماعت کے اکابر ہمیشہ آپ کو دعوت دیتے تھے۔ اور آپ اس دینی مرکز کے مدرسہ کے امتحان کے لیے تشریف لاتے۔ مولانا سعید احمد خان صاحب حضرت مفتی زین العابدین کا درود مدرسہ میں رہتا اور مفتی صاحب سے ملاقات کیلئے یہ اکابر تشریف لاتے۔ راقم کو جب کراچی جانے کا موقع ملتا تو فون پر اپنی آمد کی اطلاع دے دیتا۔ اور حضرت مفتی صاحب کی مصروفیات کے پیش نظر تاکیداً کہتا کہ آپ ائیرپورٹ پر تشریف نہ لائیں۔ میں خود آجاؤں گا۔ دوران وزارت کئی بار کراچی جانے کا موقع ملا۔ اور ہر بار تاکید کی کہ میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔ مگر اخوت کا ایسا مضبوط رشتہ تھا اور اس کی ایسی پاسداری کی اور ایسا نبھایا! کہ ہر بار باوجود منع کرنے کے ائیرپورٹ پر آپ کو موجود پایا اور یہی سلوک راقم کا تھا۔ آخر تک اس کو برقرار رکھا۔ وفات سے چند دن قبل یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی میٹنگ میں اسلام آباد تشریف لائے۔ اور یہی "ائیرپورٹ" پر ان سے میری آخری ملاقات تھی۔ آپ کے ساتھ مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب بھی تھے ائیرپورٹ سے سیدھے رات کو ہی میٹنگ پر چلے گئے۔ مجھے دوسرے دن ایک دینی و سیاسی سفر کے لیے خان پور جانا ہوا۔ رات واپسی ہوئی۔ اور مفتی صاحب رات تک جامعہ اسلامیہ میں قیام کر کے احباب سے مختلف موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ اور قاری محمد رفیق صاحب جیسے احباب سے بے تکلفانہ گفتگو کرتے ہوئے رات کراچی چلے گئے۔ کیا معلوم تھا کہ پنڈی کا ان کا یہ آخری سفر تھا۔

آپ جب بھی پنڈی، اسلام آباد یا پشاور آتے تو اپنے آبائی گاؤں مہبودی ضرور تشریف لے جاتے۔ چاہے ایک رات یا چند گھنٹے کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ اور گاؤں میں تھوڑے تھوڑے لمحات کے لیے سب اقارب و رشتہ داروں کے ہاں حاضری دیتے۔ صلہ رحمی بھی آپ کی خاص شان تھی۔ کراچی میں رہائش پذیر اقارب کی خبر گیری کرتے۔

آپ کی زندگی کے نظام اور طرز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جب ایک مسافر تیزی سے سفر کر کے منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہو۔ یہی حال آپ کی ظاہری چال میں بھی تھا۔ سفر حج کے دوران عموماً مزدلفہ سے منیٰ پیدل سفر ہوتا۔ آپ اس تیزی سے چلتے کہ نوجوان پیچھے رہ جاتے۔ اور سب سے پہلے پہنچ کر رمی جمرہ سے فارغ ہوتے۔ آپ نے زندگی میں وقت ضائع نہیں کیا۔ بلکہ وقت کام پر لگایا۔ آپ کی زندگی مسلسل محنت و جدوجہد کا نام ہے۔ تاکہ اس تگ و دو کے بعد جلد اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔ آپ کی عمر ہی کیا تھی۔ ۶۱ برس کوئی طویل عمر نہیں ہے۔ مگر اس مختصر عمر میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کا ذکر اسلاف کی زندگی میں ملتا ہے۔ اتنی محنت کرنے والا شخص اپنی صحت سے بالکل بے پرواہ رہا۔ یونانی دوا پر اکتفا کرتے رہے۔ ڈاکٹروں کے پاس کتراتے کہ کہیں وہ مختلف بیماریوں کا اظہار کر کے پابند بستر نہ بنالیں۔ احباب نے کئی بار کہا کہ مشہور معالج امراض قلب ڈاکٹر عبدالصمد صاحب جو علماء سے اور خصوصاً مفتی صاحب سے خاص عقیدت رکھتے ہیں انکے پاس جا کر چیک کرالیں۔ مگر ہمیشہ انکار کرتے رہے آپ نے امراض کو چھپائے رکھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مرض الوفات سے قبل بھی مکہ مکرمہ میں ایک بار دل کا دورہ پڑا تھا۔ دیگر مواقع پر کچھ احساس ہوا مگر آپ نے ذرہ بھی اس طرف توجہ نہ دی اور زندگی کے مشن میں رواں دواں رہے آپ ہر وقت اپنے آپ کو موت کے لیے تیار رکھتے تھے۔ زندگی کے آخری دروس جو ختم بخاری شریف اور ختم مشکوٰۃ شریف پر آپ نے دیئے اس میں انتہائی تضرع کے ساتھ رو رو کر حسن خاتمہ کے لیے دعائیں کیں۔ کتنی بڑی سعادت ہے کہ وفات کی شب بھی آخری مصروفیت جامعہ بنوریہ میں ختم مشکوٰۃ شریف کے موقع پر درس حدیث اور طویل دعا تھی۔ خاتمہ بالخیر کی اس سے بڑھ کر اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ آخری زندگی میں زہد و قناعت، فکر آخرت اور خاتمہ بالخیر کی دھن ہر وقت آپ کو لگی ہوئی تھی۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے بھی آپ کا خصوصی تعلق تھا۔ حضرت مفتی صاحب کافی عرصے سے اس کے نائب امیر چلے آرہے تھے۔ ہر سال برطانیہ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے۔ ۱۲ اگست ۱۹۹۰ء بریڈفورڈ میں عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس ہوئی جس میں حضرت مفتی صاحب نہایت اہتمام سے شریک ہوئے اور نہایت ولولے کے ساتھ رد قادیانیت پر تقریر فرمائی۔

ہر شخص کا انفرادی تعلق اپنے مالک و مولیٰ سے ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کیا ہے مگر اخلاص و ایمان کی جو نشانیاں احادیث و قرآن میں بتائی گئی ہیں۔ وہ حضرت مفتی صاحب میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ سلف صالحین کے واقعات کتابوں میں ملتے ہیں ان کا نمونہ ان کی زندگی میں نمایاں طریقہ سے نظر آتا ہے۔ اخلاق، اکرام مسلم خدمت گزاری، ضیافت، ملنساری، دین کی محبت، مسلمانوں اور عالم اسلام کی سربلندی کی فکر، علماء و عوام کے اتحاد کی کوشش وسعت قلبی اور بلند نظری جیسی صفات ان میں موجود تھیں مدارس کے بقا و ترقی اور علم دین کی ترویج سے غیر معمولی

دلچسپی تھی۔

زندگی کی بے ثباتی آفتاب کے طلوع و غروب کا مظہر ہے۔ دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں اور نہ ہی دوام حاصل ہے جو یہاں آیا ہے اسے ایک روز جانا ہے۔ کسی کے جانے سے بساط زندگی کی رونقیں نہ متاثر ہوتی ہیں اور نہ ہی کسی محفل و انجمن میں اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ نہ خلا کا احساس ہوتا ہے نہ تذکرہ و چرچا۔ نہ آہ و بکا' نہ یادیں اور حسرتیں بمصداق آیت قرآنی

لیکن کچھ جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی یادیں باقی رہیں۔ ان کے تذکرے قائم رہتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ ان کی زندگی معرکۂ وجود میں عزم و حوصلہ کا آئینہ دار ایمان و یقین سے لبریز۔ آئین دفا سے بہرہ ور درد آشنا علمی شگفتگی اور عملی وارفتگی کا کامل نمونہ تھی۔

یہ دنیا آب و تاب کی مرقع ہونے کے باوجود حکم الٰہی اور اسرار ربانی کی ایک باعظمت اور عظیم الشان جلوہ گاہ ہے۔ اس کے دامن پر زندگی کے نقوش اسی لیے ظاہر ہوتے ہیں کہ خود کو فنا کر کے کسی قادر مطلق کی ہستی کا پتہ دیں۔ کائنات کے ہر ذرہ پر کل من علیہا فان کا نوشتہ ازل موجود ہے۔ اور ہر جانے والا ہی صدا لگا کر رخت سفر باندھتا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو دنیا کا کوئی انسان اور کوئی شے نہیں جھٹلا سکتی۔ گویا موت کا حادثہ نیا نہیں کہاں نہیں اور کب پیش نہیں آتا۔ آئے دن کی بات ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ بقول شاعر

؎ عدم کے ذکر سے قائل میرا کیوں دم نکلتا ہے
مسافر روز جاتے ہیں یہ رستہ خوب چلتا ہے

مگر بعض حوادث اپنے وقوع اور نوعیت کے اعتبار سے زیادہ المناک ہوتے ہیں۔ حضرت مفتی مرحوم کے ارتحال کا حادثہ اس نوعیت کا ہے کہ ہر مرحلہ پر انسانی عقل و تجربہ اور تدبیر کی درماندگی اور ناکامی واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ حقیقی بھائی اہل خاندان جامعہ کے اساتذہ و طلباء محبین و ہمدردوں کی اتنی بڑی تعداد ہوتے ہوئے جہاں نہ وسائل کی کمی تھی اور نہ اصحاب عقل و تجربہ اور صحیح مشورہ دینے والوں کی کمی تھی۔ اور نہ ماہر و مخلص ڈاکٹروں کی کمی تھی لیکن اس کے باوجود مشیت الٰہی میں جو چیز مقدر میں تھی وہ ہو کے رہی۔ اور مفتی صاحب ہم سے جدا ہو گئے۔ وہ اب اس عالم میں پہنچ گئے جہاں ان کو ان کی نیکیوں کا بھرپور صلہ مل رہا ہوگا۔ اگر عالم اسباب میں ایک جان دے کر دوسری جان بچائی جاتی اور فدیہ و قربانی انسانی جانوں میں بھی ہوتا تو ضرور ہزاروں انسان مرحوم کی زندگی بچانے کیلئے سامنے آجاتے بقول شاعر عربی۔

لقد كنت في قوم عليك اشحه
بنفسك الا ان ما طاح طائح
يودون لو خاطوا عليك جلودهم
ولا تدفع الموت النفوس الشحائح

حضرت مفتی صاحب کی وفات کا حادثہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا جس کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا وہ چہرہ جس نے زندگی کے ہر مرحلہ میں رنج و غم کو ہلکی مسکراہٹ اور دبی دبی آہ میں چھپائے رکھا تاکہ اس غم کی آنچ سے اپنوں اور عزیزوں کے چہرے جھلس نہ جائیں۔ دوسروں کو خوش دیکھنے کے لیے اپنے غم پنہاں کو نہاں نہ کیا۔ ہمیشہ دریافت حال کرنے پر صرف اتنا کہا کہ "نہیں کچھ نہیں۔ وہی چہرہ بروز تاریخ کی صبح ہونے سے پہلے غم کو چھپائے ہوئے ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔ اور یہی کیفیات بعد وفات آپ کے چہرے سے عیاں تھیں۔ آپ کے چہرے کی بشاشت اور ہونٹوں کی مسکراہٹ اور یہ انداز کہ گویا ابھی لب وا ہو کر کسی بات کا اظہار فرمانے والے ہیں۔ علامہ اقبال کا یہ شعر اس کیفیت کے اظہار کے لیے انتہائی مناسب ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب او ست

مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں اپنے نفس سے تعزیت کروں مرحوم کے اہل و عیال سے تعزیت کروں۔ یا مخلص اور محب ساتھیوں سے۔ کہ ہر ایک نے اسے ایسا محسوس کیا جس کا ذکر الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔

بالآخر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارکہ ہی تسلی کا باعث ہیں جو آپ نے ایک صحابی سے اس کے بچے کی وفات پر بطور تعزیت فرمائے تھے۔

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئ عندہ باجل مسمّی

آپ تو دنیا سے ایسے گئے کہ بقول شاعر۔

؎ رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں وہ' ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی

اللہ تعالیٰ نے آخری آرامگاہ بھی اسی جامعہ میں عطا فرمائی جس کے لیے آپ نے اپنی جان کو کھپا ڈالا تھا اور پوری زندگی اس کی ترقی کے لیے وقف کر دی تھی۔ اور اسے اپنے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت کا بہترین سامان بنا لیا تھا۔ طبعی طور پر میری اور بعض خاندانی احباب کی رائے تھی کہ تدفین کراچی کی بجائے آبائی گاؤں بہبودی میں حضرت والد صاحب کے جوار میں ہو۔ مگر من جانب اللہ جو فیصلے ہوتے ہیں اسی میں بہتری ہوتی ہے۔

؎ آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کی محبوبیت و مقبولیت کا نتیجہ تھا کہ صرف ملک میں ہی نہیں۔ بیرون ملک سعودی عرب' عرب امارات افریقہ' برطانیہ' امریکہ اور دنیا کے دوسرے خطوں میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ بہت سے احباب نے اپنے تعزیتی خطوط میں جس انداز سے اپنے جذبات کا اظہار کیا اس سے احساس ہوتا ہے کہ آپ حدیث فیوضع لہ' القبول فی الارض کے مصداق تھے۔

قارئین کرام سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے خاندان کو یہ سانحہ عظیم برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنی نیکیوں کا اعلیٰ صلہ عطا فرمائے۔

اور مرحوم کے صاحبزادگان' مولانا عزیز الرحمٰن حافظ محمد طلحہ' محمد اسامہ اور محمد حذیفہ کو آپ کا سچا جانشین بنائے۔

تعزیرات پاکستان اور ضابطہ فوجداری میں ترامیم کیلئے دو آرڈیننس

قتل اور اقدام قتل پر دی گئی سزا مقتول کے ورثا یا متاثرہ شخص کے ایما کے بغیر تبدیل نہیں ہوگی

عدالت کسی خطرناک دوا یا منشیات کا نمونہ رکھ کر باقی مقدار تباہ کرنے کا حکم دے سکتی ہے

اسلام آباد (اے پی پی) صدر مملکت غلام اسحٰق خان نے تعزیرات پاکستان (ایکٹ ساتے X ۱۸۶۰) اور ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ (ایکٹ V ۱۸۹۸) کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کی غرض سے ان میں مزید ترمیم کے لیے فوجداری، قوانین (چھٹا ترمیمی) آرڈیننس ۱۹۹۱ء جاری کیا ہے جو فوری طور پر نافذ العمل ہوگیا ہے۔ اس آرڈیننس کے تحت تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۵۳ کے تحت سزائیں اب قصاص، دیت، ارش، ادامن، تعزیر، موت، عمر قید، سزائے قید با مشقت اور سزائے قید محض، جائیداد کی ضبطی اور جرمانہ ہوں گی۔ دفعہ ۵۴ میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ قتل پر کسی کو سنائی گئی سزائے موت مقتول کے ورثا کی مرضی کے خلاف تبدیل نہیں کی جاسکے گی۔ دفعہ ۵۵ کے تحت سزائے عمر قید اور دفعہ ۱۵۵ اے کے تحت دی گئی کوئی سزا متاثرہ فریق یا اس کے ورثا کے ایما کے بغیر ناقابل تبدیل ہوگی۔ دفعہ ۱۰۹ کے تحت اکراہ تام کے بغیر کسی جرم پر تعزیر دی جاسکے گی۔ دفعہ ۲۹۹ تا ۳۳۸ بالغ، ارش، مینہ کل، ضمان، دیت، حکومت، اکراہ تام، اکراہ ناقص، نابالغ، قتل، قصاص، تعزیر علی اور قتل عمد کی وضاحتیں کی گئیں ہیں اور قرار دیا گیا ہے کہ دفعہ ۳۰۲ کے تحت قتل عمد پر قصاص کے طور پر سزائے موت، تعزیر کے طور پر سزائے موت یا عمر قید اور دفعہ ۳۰۴ کے تحت زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال قید کی سزا دی جاسکے گی۔ اکراہ تام کے تحت قتل پر سزائے قید کم از کم ۱۰ سال ہوگی جو ۲۵ سال تک بڑھائی جاسکتی ہے اور اکراہ ناقص پر سزائے قید زیادہ سے زیادہ ۱۰ سال ہوگی۔

اسلام آباد (اے پی پی) صدر مملکت غلام اسحٰق خان نے تعزیرات پاکستان (ایکٹ مجریہ سال X مجریہ ۱۸۶۰) اور ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ (ایکٹ مجریہ ۱۸۹۸) میں مزید ترمیم کے لیے فوجداری قوانین (پانچواں ترمیمی) آرڈیننس ۱۹۹۱ء جاری کیا ہے جو فوری طور پر نافذ العمل ہوگیا ہے۔ اس آرڈیننس کے تحت تعزیرات پاکستان (ایکٹ XLV ۱۸۶۰) کی دفعہ ۳۹۲ میں سے "غروب آفتاب اور طلوع آفتاب کے درمیان" کے الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں جبکہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۵۱۶ ۔ اے میں مزید اضافہ کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خطرناک دواؤں کے ایکٹ ۱۹۳۰ء (II-۱۹۳۰) کسٹمز ایکٹ ۱۹۶۹ء (۱۹۶۹-IV) ممانعتی (نفاذ حد) حکم ۱۹۷۹ء (صدارتی حکم نمبر ۴، ۱۹۷۹ء) یا وقتی طور پر نافذ کسی دوسرے قانون کے تحت قبضہ میں لے لی گئی ملکیت کوئی خطرناک دوا ہو، زہر یا نشہ لانے والی ہو یا کوئی دیگر نشہ آور مادہ ہو تو عدالت کسی کی درخواست پر یا اپنی مرضی سے اپنی نگرانی اور کنٹرول میں اس ملکیت کے متعدد نمونے حاصل کر سکتی ہے اور تیار کرا سکتی ہے جو وہ حفاظت میں رکھنے اور عدالتی معائنے کے لیے کافی سمجھے اور عدالتی سرٹیفکیٹ کے تحت اس ملکیت کی باقی ماندہ مقدار کو تباہ کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔ دریں اثناء کسی اتھارٹی یا عدالت میں مذکورہ اشیاء سے متعلق تحقیقات یا کارروائی کے دوران ان نمونوں کو پوری کی پوری مقدار سمجھا جائے گا۔ ضابطہ فوجداری (V ایکٹ V) میں ترمیم کے ذریعے دفعہ ۲۲۴ کے کالم ۵ میں لفظ "ایضاً" کی جگہ "ناقابل ضمانت" کے الفاظ شامل کئے گئے ہیں۔

شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا اضافہ کیا جائے

(ساہیوال) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں ڈاکٹر کنور محمد محبوب عالم قاری عبدالجبار، قاری غلام نبی، محمد اسلم بھٹی، شاہ شرف علی خاں، محمد شکور رانا، ملک محمد نجیب اللہ نے اپنے مشترکہ بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ نئے کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ کے ڈیزائن کو حتمی شکل دینے سے قبل اس میں مذہب کے اندراج کا خانہ ضرور شامل کیا جائے انہوں نے کہا کہ حکومت اس اچھے قدم کی پیروی کر رہی ہے۔

لیکن چند قادیانیت پرست عناصر اس اندراج کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جلاس کا یہ مطالبہ ہے کہ وزارت داخلہ کے سربراہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا ضرور اضافہ کروائے۔

خبریں

اخبار ختم نبوت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، مولانا محمد اسماعیل

(ساہیوال) رپورٹ محمد اسماعیل بھٹی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام حیات عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی صاحب نے جامع مسجد الفلاح سول ہسپتال میں درس قرآن دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔ اور وہ قرب قیامت دنیا پر تشریف لائیں گے اور اسلام کا ڈنکا بجائیں گے اور دنیا میں اسلام کو غالب کر دیں گے۔ اور غلامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی زندگی بسر کریں گے اور ادھر نقلی مسیح موعود کے ساتھی یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی قبر کشمیر میں ہے۔ یہاں کا عقیدہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ذکر فرماتے ہیں کہ میں نے عیسیٰ ؑ کو زندہ اٹھالیا ہے اور احادیث میں آسمانوں کی کئی جگہ صراحت موجود ہے۔

درس قرآن کے اختتام پر محمد ادریس رحمانی نے مہمان

اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے کارکنوں کو شاباش دیا بعد میں مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے دفتر کا معائنہ کیا اور کام کو سراہا۔

شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا اضافہ کیا جائے

لاہور کے جامع مساجد میں ختم نبوۃ کی قراردادیں

لاہور۔ جمعیت علماء اسلام پنجاب کے امیر مولانا میاں محمد اجمل قادری، جماعت اہلحدیث کے راہنما حافظ زبیر احمد ظہیر، حافظ عبدالقادر روپڑی، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کے ڈپٹی مرکزی سیکرٹری مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، انجمن سپاہ صحابہؓ کے راہنما مولانا سیف اللہ خالد، بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا سید عبدالقادر آزاد نے آج یہاں جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ، جامع مسجد القدس، جامع مسجد عائشہ مسلم ٹاؤن جامع مسجد جامعۃ المنتظر الاسلامیہ، بادشاہی مسجد میں جمعۃ المبارک کے عظیم اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملت اسلامیہ کی طویل جدوجہد کے بعد آئین پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کیا گیا۔ ملت اسلامیہ کے تحفظ و تشخص کے لیے جداگانہ انتخاب کو الیکشن کی بنیاد قرار دیا گیا جس کا منطقی تقاضا یہ تھا کہ مسلم و غیر مسلم کی تمیز کیلئے شناختی کارڈ کے رنگ اور اس میں مذہب کے خانہ کا اضافہ ہو اب جب کہ وزارت داخلہ کے فیصلہ کے مطابق کمپیوٹر سسٹم پر نئے شناختی کارڈ بنائے جا رہے ہیں اس موقعہ پر حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کے لیے شناختی کارڈ کا رنگ تجویز کرے۔ نیز شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا اضافہ کیا جائے۔ یہ ایک خالص مذہبی، قومی، آئینی مطالبہ ہے۔

علماء کرام نے کہا کہ مسلمانوں اور اقلیتوں کی رعایت کے لیے پاکستان کے جھنڈا میں بھی سفید رنگ اقلیتوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے لہذا حکومت کو مسلمانوں اور اقلیتوں میں تمیز کے لیے شناختی کارڈ کا رنگ اور اس میں مذہب کے خانہ کا اضافہ کیا جائے۔

اربابِ حکومت سے

میرا پیغام پہنچا دو یہ اربابِ حکومت کو
دبا سکتے نہیں تم جبر سے اہلِ صداقت کو

جو حق والے ہیں حق کہنے سے ہرگز رک نہیں سکتے
کٹا سکتے ہیں سر باطل کے آگے جھک نہیں سکتے

سنو ہاں ہاں سنو ہم یہ علی الاعلان کہتے ہیں
غلام احمد کو کافر اور بے ایمان کہتے ہیں

کرے ختم نبوت کا کوئی انکار کافر ہے
بھرے اجلاس میں کہتا ہوں میں سو بار کافر ہے

اگر جمہوریت ہے بات پھر جمہور کی مانو
تم ان مرزائیوں کو خارج از اسلام گردانو

بگوشِ ہوش سن لو فیصلہ ہے ہر حیا والے کا
قیامت تک نہ چھوڑیں گے دامن کملی والے کا

مسلماں ہو کے تم حق کی حمایت کیوں نہیں کرتے
محمدؐ کی شریعت کی حفاظت کیوں نہیں کرتے

غلامانِ محمدؐ پر اگر یوں ظلم ڈھاؤ گے
قیامت میں رسول اللہؐ کو کیا منہ دکھاؤ گے

تمہارے جبر سے ہم کیوں کریں ایمان کا سودا
خدائے پاک سے ہم نے کیا ہے جان کا سودا

تمہیں جو ناز ہو تم کو ستم ڈھانا بھی آتا ہے
ہمیں راہ وفا میں ہنس کے مر جانا بھی آتا ہے

اگر تیغ جفا ہم پر یوں ہی تم آزماؤ گے
ہمارے خون کے سیلاب میں خود ڈوب جاؤ گے

قادیانیوں کی تعداد ایک کروڑ نہیں ہے

قادیانیوں کی تعداد کا نہ تخمینہ لگایا ہے نہ لگایا جا سکتا ہے ـــــ مرزا طاہر کا بیان

لندن۔ قادیانی غبارے سے اس وقت ہوا نکل گئی جب قادیانی سربراہ مرزا طاہر نے اپنے پیش رو مرزا ناصر کی بتائی ہوئی تعداد ایک کروڑ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور یوں قادیانی جماعت میں چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قادیانی جماعت میں ربوہ۔ جرمنی لندن اور ملک کے اندرون و بیرون ملک جو ایک خفیہ گروپ قائم ہے انہوں نے مرزا طاہر پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اب مرزا طاہر اس قابل نہیں رہا کہ وہ قادیانی جماعت کی قیادت کر سکے۔ اس لئے جب سے اس شخص نے "خلافت" کا نظام سنبھالا جماعت کی ساکھ گرتی چلی رہی ہے اور جماعت کا جو وقار و رعب قائم تھا وہ ختم ہو گیا۔ جماعت کی پالیسیاں پیچ در پیچ بن گئیں۔ جس کی تازہ ترین مثال جماعت کو تعداد کے مسئلے میں الجھا دیا گیا۔ لندن کے ذرائع نے مرزا طاہر کا خطبہ جو ۲۹ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو لندن کے مرزا ٹرے میں دیا گیا کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ مرزا طاہر نے قادیانیوں کی تعداد کے بارے میں مرزا ناصر کے اعداد و شمار کا دبے لفظوں میں انکار کر دیا اور کہا کہ قادیانی تعداد کے سلسلے میں ابہام کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ کبھی ایک کروڑ اور کبھی ڈیڑھ کروڑ بتائی جاتی ہے حالانکہ یہ غلط ہے مرزا طاہر نے کہا کہ آج سے بیس سال پہلے مرزا ناصر نے ایک قادیانی سالانہ جلسہ میں قادیانی تعداد ایک کروڑ بتائی۔ اس سلسلے میں مرزا ناصر کے ساتھ مرزا طاہر کی ایک نجی مجلس میں بھی گفتگو ہوئی تو مرزا طاہر نے ایک کروڑ کی تعداد سے اتفاق نہیں کیا۔ مرزا طاہر نے کہا کہ دراصل ملک و بیرون ملک قادیانی جماعتیں تعداد کے مسئلے میں احتیاط سے کام نہیں لیتیں اور پھر یہ کہ مرزا ناصر جب پنجاب کے دورہ پر جایا کرتا تھا اس وقت بھرپور اجتماع دیکھ کر اور یہ کہ بعض امراً اور قادیانی جماعت کے بعض سرکردہ افراد مرزا ناصر کو یہ رپورٹ دیتے تھے کہ بعض علاقے مثلاً سیالکوٹ تو تقریباً قادیانیوں سے بھر گیا ہے۔ اس تاثر کی بنا پر مرزا ناصر نے تخمینہ لگایا کہ اب قادیانی پوری دنیا میں ایک کروڑ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ تخمینہ غلط ہے۔ مرزا طاہر نے کہا کہ مرزا ناصر کے مرنے پر مجھے بیرون ملک دورے کے دوران تعداد کے مسئلے کا سامنا کرنا پڑا جو میرے لئے مشکل مسئلہ تھا۔ سوال کرنے والوں کو یہی جواب دیتا تھا کہ نہ میں تخمینہ لگا سکتا ہوں اور نہ کسی کے لئے ممکن ہے کہ حقیقتاً یہ تخمینہ لگا سکے اس لئے اس راہ میں بہت مشکلات ہیں لیکن مجھ سے پہلے خلیفہ نے ایک کروڑ بتائی یہی تخمینہ قادیانی جماعت میں رائج ہے۔ جب سوال کرنے والے نے زیادہ کریدا تو میں نے بلا تردد یہ بتایا کہ تعداد اس سے کم ہے۔

مرزا طاہر نے کہا کہ بہت سے لوگوں نے یوں ہی اندازہ لگا لیا کہ آج سے ۲۰ سال پہلے ہماری تعداد ایک کروڑ تھی اب سوا یا ڈیڑھ کروڑ ہو گی۔ جب یہ اعداد و شمار شائع ہونے شروع ہوئے تو قادیانی جماعت کو بڑی الجھن کا سامنا کرنا پڑا۔ اور بہت سے ملکوں میں یہ ایک مسئلہ بن گیا۔ مرزا طاہر نے کہا کہ دراصل جماعت کا ایک رعب تھا لیکن رعب کے مقابلے میں تعداد کم تھی مرزا طاہر نے قادیانی جماعت کو ہدایت کی کہ تعداد کے مسئلہ پر بحث نہ کیا کریں اور ایک کروڑ کی تعداد پر اصرار نہ کریں اور اس طرح تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش نہ کیا کریں۔

بادشاہ کا درویشانہ انکسار

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح (المتوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) سلطان التمش کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وہ اپنے ملفوظات فوائد السالکین میں فرماتے ہیں کہ التمش کا عقیدہ صحیح تھا وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا تھا، اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھ کر وضو کرتا اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ جگاتا اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو کیوں تکلیف دی جائے۔ رات کو وہ گدڑی پہن لیتا اور کسی کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ میں سونے کے تنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، لوگوں کے دروازے پر جاتا ان کے حالات پوچھتا، ان کی مدد کرتا، ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ اس کے دربار کے پاس آکر عدل و انصاف کی لٹکی ہوئی زنجیر کو ہلائیں، تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔

حضرت قطب صاحب فوائد السالکین میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک رات التمش میرے پاس آیا اور میرا دامن پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہونچاتے رہو گے جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا کہ اپنی عنایت سے آپ نے رب العزت سے مجھ کو مملکت تو دلا دی، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت بھی مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت واپس گیا جب میں نے اس کو تسلی ہر طرح دلائی۔ (فوائد السالکین، ص ۳۰-۲۹)

قادیانی ٹیچر نے اسکول کی لائبریری سے قیمتی اسلامی کتب چوری کر لیں

دارہ (نمائندہ ختم نبوت) گفنڈ گورنمنٹ ہائی اسکول

باقی صہ ۲۶ پر

بت گر گئے

حضرت عبدالمطلب سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت (رسول ؐ) کعبہ کے پاس تھا۔ جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی کہ

اللہ اکبر اللہ اکبر رب محمد المصطفیٰ الاٰن قد طہرنی ربی من انجاس اصنام وادجاس المشرکین ۰

اللہ بلند و بالا ہے، اللہ بلند و بالا ہے۔ وہ رب ہے محمد مصطفیٰ ؐ کا اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا۔ اور غیب سے آواز آئی رب کعبہ کی قسم کعبہ کو، برگزیدگی ملی۔ خبردار ہو جاؤ کعبہ کو ان کا قبلہ ان کا مسکن ٹھہرایا۔ اور بت جو کعبہ کے گرداگرد نصب تھے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور سب سے بڑا بت جسے ہُبل کہتے تھے منہ کے بل گر پڑا تھا۔ ندا آئی کہ، سیدہ آمنہ سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوگئے۔ اور ابر رحمت ان پر اتر آیا ہے۔

(مدارج النبوت، ص ۲۷)

مرسلہ قاضی محمد اسرائیل گڑنگی، مانسہرہ

ختم نبوت یوتھ فورس کنری کی D-i-G سے ملاقات

گزشتہ روز ڈی آئی جی حیدرآباد ڈویژن سلیم کی آمد پر ختم نبوت یوتھ فورس کے وفد نے ملاقات کی۔ ڈی آئی جی کو قادیانیوں کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا گیا۔ اور کنری شہر میں قادیانیوں کی عبادت گاہوں اور دکانوں پر کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات محو کرنے کے لیے کہا گیا اور اندرون سندھ قادیانیوں نے جو جلسوں کا پروگرام بنایا ہے اس سے بھی آگاہ کیا گیا ڈی آئی جی نے وفد کو یقین دلایا کہ قادیانیوں کو کسی قسم کا جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ وفد میں شامل افراد صدر ختم نبوت یوتھ فورس محمد صفدر، عبدالغفار مغل، سرپرست اعلیٰ محمد اعجاز، عبدالحفیظ محمد اعظم اس موقعہ پر چیئرمین ٹاؤن کمیٹی جناب عبداللطیف گل بھی موجود تھے۔

بقیہ || قادیانی مچھر

کے سابق انچارج ماسٹر جو قادیانی تھا اور اب اس نے اپنا تبادلہ لاڑکانہ میں کرا لیا ہے اس نے کھنڈو اسکول کی لائبریری سے قیمتی اسلامی کتب قرآنی تفاسیر و حدیث اور دیگر نادر کتابیں چوری کر لی ہیں۔ اسی بات کا انکشاف اب ہوا ہے جب مذکورہ ٹیچر کھنڈو سے تبادلہ کرا کے جا کر لاڑکانہ آگیا ہے۔

بقیہ || حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

حامل ہیں۔ ان کے بعد امام مالکؒ کی موطا، امام ترمذی کی جامع امام ابوداؤد کی سنن امام نسائی اور امام ابن ماجہ کے مجموعے اپنی بہت سی خصوصیات کی بناء پر خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ دوسرے کام یعنی تدوین فقہ اور استنباط مسائل کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو پیدا کر دیا جو اپنی ذہانت، دیانت اخلاص اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد ہیں۔ پھر ان میں سے چار شخصیتیں امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام ابن حنبلؒ اپنے قانونی فہم، علمی انہماک داعی صلاحیت اور جذبۂ خدمت امتیازی شان کی مالک ہیں۔ ان حضرات نے اپنی پوری توانائی اور ساری صلاحیتیں اس اہم اور بلند مقصد کے لئے وقف کر دیں اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تن تنہا اتنا کام کیا اور مسائل و تحقیقات کا اتنا بڑا سرمایہ جمع کر دیا کہ بڑی بڑی اکیڈمیاں اور علمی ادارے بھی آسانی سے اتنا کام نہیں کر سکتے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ نے تراسی ہزار مسائل اپنی زبان سے بیان کیے اسی سے دیگر ائمہ کی خدمات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان ائمہ عظام کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ملت کی اجتماعی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہو گئی اور ذہنی انتشار اور معاشرتی بے ترتیبی سے امت محفوظ ہو گئی۔

بقیہ || امانت داری پر انعام

کہا کرتے تھے۔

وما وجدت فی الدنیا کھذا
الذی رد علی ھذا العقد

جس شخص نے یہ ہار مجھے واپس ملا ایسا مسلمان آدمی میں نے دنیا میں نہیں دیکھا۔

اس کے بعد یہ دعا بھی کیا کرتے تھے۔ کاش اس شخص سے میری دوبارہ ملاقات ہوتی تو میں اپنی لڑکی سے اس کا عقد کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ دعا بالآخر قبول کی۔ مگر اسی عرصہ میں ان کی حیات پوری ہو گئی۔ اس لڑکی کے سوا کوئی دوسری اولاد نہ تھی دوسری چیزوں کے ساتھ اس ہار کی بھی وہ تنہا وارث ہوئی شیخ بیان کرتے تھے کہ اس بیوی سے چند اولاد بھی خدا نے مجھے عطا فرمائی، پھر اس بے چاری کا انتقال ہو گیا۔ اس ہار کے وارث میرے بچے ہوئے۔ کچھ دن بعد میرے بچے بھی وفات پا گئے اور یوں گھوم گھما کر یہ ہار میرے قبضے میں آیا جسے میں نے ایک لاکھ اشرفیوں میں فروخت کر دیا۔ ابن رجب نے لکھا ہے کہ شاگردوں سے شیخ کہا کرتے تھے کہ میرے پاس مال و منال جو کچھ تم دیکھتے ہو یہ اسی ایک لاکھ کے دینار کے سرمایہ سے حاصل ہوا

بقیہ || جو خدا کا ہوا

جائے۔ اور گالی گلوچ۔ جوا۔ سٹہ۔ شراب نوشی اور بدکاری جیسی گھناؤنی عادتوں سے صرف دوری نہیں بلکہ دلوں میں نفرت پیدا کی جائے۔ پہلے اپنے اندر سے یہ کدورتیں نکالی جائیں پھر دیکھئے دعا کیسے قبول ہوتی ہے اللہ کی رحمت کس طرح لپٹے جلدوں میں لیتی ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

A QUESTION TO ALL MUSLIM BRETHREN

Do you want:	Your money should be spent on making Muslims into Apostates?
Certainly your answer will be:	No.
But you are!	Unintentionally, unknowingly.
How:	In this way that some of you transact business with Qadianis. You purchase and use their products. You deal with them commercially and don't realise the harm you are doing to Islam.
Do you know:	A large part of the profit, accruing to Qadianis from your deals is deposited by them in their apostatic Centre at Rabwah.
What work this Centre does:	It makes unwary Muslims into Kafirs and Apostates.
Alas:	Your money is used against your very Deen and you are unaware.
Realise:	You are contributing towards apostacising Muslims because you buy, sell, and use the products manufactured by Qadianis.

Mark:

It's your money that is spent on Qadiani apostatic activities.

It's your money that is letting Qadianis print their literature.

It's your money that is abetting publication of Qadianis' distorted translations of Quran.

It's your money that is supporting Qadiani Rabwah Centre.

It's your money that is helping Qadiani preachers to preach Kufr in the world.

It's your money which is spent by Qadianis in spread of their heresy.

Q'SAVIOURS OF DEEN-E-ISLAM

Rally round the banner of your Prophet Muhammad Rasool Allah Sallal-Lah-o-Alaihe-Wa-Sallam.

Boycott all Qadiani products; don't deal in them, don't buy them, don't use them

Cut them out at social, commercial, economic levels.

Don't attend their functions, marriages, funerals etc.

Be hostile, you, your friends and your relatives towards these enemies of your Deen for sake of Allah.

See through the fraud of these self-styled "Ahmadis".

Identify them as Kafirs, Apostates and Dualist-infidels.

KHATME NUBUWWAT (AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)
Registered No. M-160

قادیانیوں کو آئینی و قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور جداگانہ انتخابات کے ذریعہ غیر مسلموں کی علیحدہ نمائندگی کا حق تسلیم کیے جانے کے تاریخی فیصلوں کا منطقی تقاضا ہے کہ

شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ درج کیا جائے

- تاکہ ان فیصلوں پر عمل درآمد میں کوئی اشتباہ پیدا نہ ہو، اور برادر عرب اسلامی ممالک میں جانیوالے پاکستانیوں کی مذہبی حیثیت کے بارے میں کوئی الجھن پیش نہ آئے
- گذشتہ حکومت کے دور میں نئے شناختی کارڈ جاری کرنے کی تجویز آئی، تو مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوۃ کے ذمہ داران نے وفاقی محکمہ رجسٹریشن اور وفاقی سیکرٹری داخلہ سے ملاقات کی اور شناختی کارڈ کے نئے ڈیزائن میں مذہب کے خانے کا اضافہ منظور کروالیا۔
- لیکن اب جبکہ حتمی منظوری کیلئے اسلامی جمہوری اتحاد کی مرکزی کابینہ کے اجلاس میں یہ ڈیزائن منظور ہوا تو اس میں مذہب کا خانہ درج نہیں کیا گیا آخر کیوں ؟

آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان

حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ وزارتِ داخلہ کے حالیہ اعلان کے مطابق نئے بننے والے شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا اضافہ اور رنگ کی علیحدگی ایک قومی، مذہبی اور آئینی مطالبہ کو تسلیم کر کے اسلامیانِ پاکستان کے دینی جذبات کا احترام کیا جائے۔ **نیز** تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام اور سیاسی رہنماؤں اور عوام الناس سے **اپیل** کی جاتی ہے کہ وہ اس جائز دینی اور آئینی مطالبہ کی حمایت میں بروقت اور موثر آواز اُٹھائیں تاکہ کمپیوٹرائزڈ سسٹم پر بننے والے نئے شناختی کارڈوں میں مذہب کے خانہ کا بروقت اندراج ہو سکے۔

منجانب: (مولانا خواجہ) خان محمد (صاحب)
مرکزی صدر آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان
ملتان فون نمبر: ۷۸۰۹-۴۰